تذکرہ

الحاج حافظ محمد اقبالؒ

(یعنی مشرقی یوپی کی ایک عظیم المرتبت شخصیت، خادم القرآن، داعی الی اللہ، عارف باللہ کی ایک مختصر سوانح حیات، علمائے کرام واکابرین دین کے تاثرات کی روشنی میں)

مرتب

محمد سعد خان ندوی

انیس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کانپور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

باراول

۱۴۳۶ھ - ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	تذکرہ الحاج حافظ محمد اقبال
نام مرتب	:	محمد سعد خان ندوی
صفحات	:	۸۸
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
کمپوزنگ	:	عامر کمپیوٹرس، شباب مارکیٹ، لکھنؤ 9305202797
طباعت	:	نیو ورک لائن پریس، لکھنؤ
قیمت	:	

ناشر

انیس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی

38/15، ایلن گنج کالونی، کانپور

موبائل نمبر: 9936705786, 9651209948

فہرست

مقدمہ از حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ	۵
پیش لفظ از حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ	۸
عرض مرتب	۱۱
مختصر تعارف حضرت حافظ صاحبؒ از مرتب	۱۳
حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ از حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	۱۵
فضیلۃ الحاج الحافظ محمد اقبالؒ از حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ	۱۸
خدا کا ایک قدرے گم نام....از حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ	۲۰
حافظ صاحبؒ از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲۷
خادم القرآن.....از مفتی محمد سلمان منصور پوری	۳۲
اور آفتاب غروب ہو گیا از پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی	۳۴
آہ! حضرت حافظ....از مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	۴۰
ایک قابل رشک زندگی از مولانا محمد عظیم خاں ندوی	۴۸
ایک حکیم مدبر دردمند....از ڈاکٹر محمد سلمان خاں ندوی	۵۳
چند تاثرات از مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی	۵۶
آسماں تیری لحد پر.....از مولانا مفتی عبد الرحیم قاسمی	۶۵
ایک مرد درویش کی....از مولانا مفتی اسعد الدین قاسمی	۷۰
یادوں کی کسک از محمد سعد خاں ندوی	۷۵
نذر اقبال از محمد شفقت علی ندوی کاوش شوکتی	۷۹
خبر نامہ از مرتب	۸۱
حضرت حافظ صاحب مشاہیر امت....	۸۳
حافظ صاحبؒ کے چند نمایاں شاگرد	۸۵

انتساب

☆ اپنے والدین ماجدین کے نام جن کی آغوش شفقت و تربیت نے یہ سعادت مقرر فرمائی۔

☆ نیز مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء کے نام جس کے زیر سایہ زبان و قلم سے کچھ تعلق نصیب ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و چانسلر انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب درس میں حفظ قرآن کا الگ سے کوئی شعبہ قائم نہیں تھا، اور اس کے لئے اساتذہ دارالعلوم میں جو حضرات تجوید وقرأت کی خوبیوں سے آراستہ تھے ان کے ذریعہ طلبہ کے لئے تجوید وقرأت کی تعلیم کا انتظام موجود تھا، لیکن جب طلباء کی تعداد زیادہ ہوئی اور تحفیظ القرآن کا شعبہ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا تو سب سے پہلے اس سلسلے میں حضرت مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس شعبہ کو کھولنے کی تجویز پیش کی، اور حضرت مولانا نے اس سے اتفاق فرمایا۔

لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس شعبے کی اہمیت کے لحاظ سے اس کی ذمہ داری ایسے جید حافظ قرآن کو سونپی جائے، جو نہ صرف اس شعبہ کی ذمہ داری قبول کریں، بلکہ اپنے تقوی و پاکیزگی میں وہ ایک مثالی شان کے مالک ہوں، اور قرآن کریم کی عظمت کے لحاظ سے ان کی قرآنی زندگی سے عملی طور پر طلبہ مستفید ہوسکیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کے رفیق محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ محمد اقبال صاحب کی طرف رہنمائی فرمائی، جو گونڈہ کے مدرسہ فرقانیہ میں شعبۂ حفظ

کو انتہائی کامیابی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ چلا رہے تھے، چنانچہ حافظ محمد اقبال صاحب سے گفتگو کے بعد ان کو شعبۂ حفظ کے بنیادی ذمہ دار کی حیثیت سے یہاں آنے کی راہ ہموار ہوئی، اور یہ شعبہ نہایت کامیاب ثابت ہوا، ان کے کئی اہم ترین شاگرد اسی شعبہ میں استاذ کی حیثیت سے مقرر ہوئے، اور پورے ملک میں اس شعبۂ حفظ کا شہرہ عام ہوا۔

حافظ صاحب نے بیس سال تک یہ عظیم خدمت انجام دی، اس دوران انہوں نے حفاظ وقراء کی ایک نسل تیار کردی، جنہوں نے ملک کی مشہور ومعروف درسگاہوں میں شعبۂ حفظ وقرأت کو صحیح نہج پر چلایا، جس کے نتائج بہتر سے بہتر ظاہر ہوئے، حافظ صاحب مرحوم کے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں دوبارہ واپسی کے بعد اس شعبہ کو ان کے قابل قدر شاگردوں نے جاری رکھا، اور بڑی حد تک ان کے معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، الحمدللہ آج بھی یہ شعبہ قابل اساتذہ کی سرپرستی اور نگرانی میں جاری ہے، اور اس کی بہت سی شاخیں ملحقہ مدارس میں موجود ہیں، جہاں اسی نہج پر حفظ وقرأت کی تعلیم ہوتی ہے، اور طلبائے علوم اسلامیہ اس سے مستفید ہوکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کرتے ہیں۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی، اور وہ تاحیات قرآن کریم کی یہ خدمت انجام دیتے رہے، اور حفظ وقرأت کے مدارس اور اس کے اساتذہ کے لئے ایک حافظ باعمل، ایک متقی و پرہیزگار مربی اور خادم قرآن کا نمونہ چھوڑ کر رحلت کر گئے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں، اور ان کی مخلصانہ خدمات کے عوض میں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں ان کو جگہ عطا فرمائیں۔ یأیتھا النفس المطمئنة، ارجعی إلی ربك راضیة مرضیة، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ عزیز گرامی مولانا محمد سعد خان ندوی نے ازراہ تعلق الحاج حافظ محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تیار کیا ہے، اور ان کی زندگی کے حالات اور ان کے کارناموں پر مشتمل یہ کتاب مرتب کی ہے، اس میں بہت سے اہل تعلق اور اہل

علم ودانش کے تأثرات اوران کے بیش قیمت خیالات جمع کر کے قابل قدر خدمات انجام دی ہے، خاص طور پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء اورصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا مضمون اس کتاب کی زینت ہے، اور بہت سی ضروری معلومات پر مشتمل ہے، اس سے کتاب کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں اور مؤلف عزیز کو جزائے خیر سے نوازیں اور ہم سب کے لئے اس کو نافع بنائیں (آمین)

۲۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ — راقم الحروف

۳۰ر اپریل ۲۰۱۴ء — **سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی**

مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پیش لفظ

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ

استاذ ادب عربی ورئیس التحریر ''الداعی'' عربی دارالعلوم دیوبند

خدا کے جن چیدہ وبرگزیدہ نیک بندوں کو راقم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور تادیر اُن کی سعادت ریز صحبت سے اپنے مُقدَّر نصیب کے مطابق فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اُن میں نمایاں ہستیوں میں ایک ہستی سابق صدر شعبۂ حفظ دارالعلوم ندوۃ العلماء ''حافظ محمد اقبال گونڈویؒ'' (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳÷-۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸÷) کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اُن کی صالحیّت، خداترسی اور دین داری کی قسم کھائی جاسکتی تھی۔ وہ راقم کے دیدہ دیں داروں میں یہ امتیاز رکھتے تھے کہ ہمیشہ خندہ رو رہتے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اُنھیں دنیا کے سارے اِنسانوں کو دیکھ کے اور اُن سے مل کے بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسا حسنِ ظن رکھنے والا اِس راقم نے شاید و باید ہی دیکھا ہوگا۔ دنیا سے بے رغبتی، آخرت کے لیے بے انتہا فکرمندی، دنیا اور اُس کی نعمتوں کی ناپائیداری اور آخرت اور اُس کی آسایشوں کی ابدیّت پر ایسا یقین رکھنے والا کہ اُس کی تراوش ہر ملنے جلنے والے کو بھی محسوس ہونے لگے اِس راقم نے بہت کم دیکھا ہے۔

حافظ محمد اقبالؒ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے تھے؛ لیکن اُن کے اندازِ تخاطب ونصیحت گوئی میں کسی طرح کی ''آمریت'' و ''حاکمیت'' کبھی محسوس نہ ہوتی تھی؛ بل کہ پیار ومحبت کا ایسا شیریں رس اُس سے مُترَشّح ہوتا کہ مُخاطَب اُس سے تادیر لذّت اندوز رہتا۔ وہ باعمل مومن تھے؛ اِس لیے اُن کے قول وفعل میں ساحرانہ تاثیر تھی۔ سچ یہ ہے کہ

خدا کے جن برگزیدہ بندوں کو دیکھ کے اُن کے ایسا بن جانے کی تمنا دل کی گہرائیوں میں چٹکی لیتی رہی، حافظ محمد اقبالؒ اُن میں سے بالیقین ایک تھے۔ اُن کے چہرے پر معصومیّت اور پورے وجود پر محبوبیّت کی ناقابلِ بیان کیفیت کی چادر تنی رہتی تھی اور دل گواہی دیتا تھا کہ اِس انسان کے سینے میں واقعی ایسا دل ہے جو کسی کے لیے کوئی کینہ، کوئی حسد، کوئی دشمنی نہیں رکھتا۔

انسان اگر واقعی نیک ہو تو وہ اپنی ساری رفتار و گفتار کے ساتھ کس درجہ لوگوں میں محبوب ہوتا ہے، حافظ محمد اقبالؒ جیتے جی اُس کی ایک زندہ مثال تھے۔ حافظ محمد اقبالؒ کو دیکھ کر ہمیشہ یہ یقین پختہ ہوتا تھا کہ یہ دنیا ایک مسافر کی وقتی جائے قیام ہے نہ کہ مقیم کی دائمی منزل۔ وہ جس طرح جسم و جُثّے سے ہلکے پھلکے تھے، اُسی طرح سامانِ حیات کے اعتبار سے بھی ''کم سامان اَدھک آرام'' پر عامل اور اپنے عمل سے اُس کے داعی تھے۔ لباس و پوشاک کے بناؤ سنگار سے ناآشنائے محض تھے، البتہ ہمیشہ اُن کے بدن پر معمولی قیمت کا صاف ستھرا سفید لباس ہوتا اور سفید رومال اور سفید گول ٹوپی۔ اُن کی زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہتی۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کبھی بھی وہ تسبیح دست انداز نہ کرتے، ہمہ وقت اُن کے ہونٹ زمزمہ سنج رہتے۔

اُن کے منحنی جسم اور خفیف سے وجود میں طلبۂ حفظ کے لیے ایسا رعب تھا کہ وہ صرف ایک اِشارے پر سبھوں کو جمع و منتشر کر لیتے یا محوِ کار بنا دیتے۔ اُنھیں دیکھ کر یہ یقین تازہ ہوتا رہتا تھا کہ دنیا ناپایدار ہے اور اُس سے دل لگانا محض بے کار ہے۔ وہ لوگوں کے صرف بہی خواہ تھے، بدخواہی سے بالکل ناآشنا۔ غیبت، بدگوئی، تنقید و تنقیص کا اُن کی مجلس میں کسی کو کبھی سابقہ نہ ہوا۔ اُن کا ہمہ گیر ظاہر اُن کے باطن کی شفّافیّت کا شاہدِ عدل تھا۔

نیک لوگوں کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اُن سے فائدہ اُٹھانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اُن کے سیرت و کردار کا البم (Album) لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے؛ تاکہ لوگ اُس کو دیکھ دیکھ اپنے سیرت و کردار کا نقشہ درست کر سکیں اور اپنی سیرت کو اُن کی سیرت کی صورت پر ڈھال سکیں۔ نیک لوگوں کی طرح نیک لوگوں کے تذکرے میں

بھی بڑی تاثیر ہوتی ہے؛ کیوں کہ اُس کو پڑھتے وقت اُن کی ظاہری نہ سہی اُن کی باطنی صحبت قاری کو نصیب رہتی ہے اور خدا کی توفیق سے اُن کے ایسا بننے اور اُن کے جیسا کام کرنے کا طاقت ور داعیہ اُس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، پھر دل کی دنیا بدل جاتی ہے، بھٹکا ہوا آہو سوے حرم چل پڑتا ہے اور بہ عجلت اپنی ناقہ کی لگام ''راہِ ترکستان'' سے ''راہِ کعبہ'' پر ڈال منزل مقصود یعنی ''منزل محبوب'' کو جا پہنچتا ہے۔

حافظ محمد اقبالؒ کی وفات کے بعد نام وَر اہلِ علم و صلاح و قلم نے اُن پر مضامین لکھے تھے، جن میں صرف آمد تھی آورد کا کہیں گزر نہ تھا؛ کیوں کہ یہ مضامین محض دل کی آواز تھے اور قلبی محبت کے تقاضے سے سپردِ قلم کیے گئے تھے؛ اِس لیے بہت پڑھے گئے اور بہت پسند کیے گئے؛ لیکن یہ مختلف رسالوں میں منتشر تھے، جہاں تک خواہش مند قارئین کے لیے بھی رسائی دشوار گزار تھی اور اُنھیں پڑھنے، اُن سے فائدہ اُٹھانے اور حافظ محمد اقبالؒ جیسے نیک آدمی کی خوبیوں کو اپنانے کا عمل مشکل تھا۔ مولوی محمد سعد خاں ندوی بن مولانا محمد انیس خاں قاسمی، سابق متعلّم مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ، یوپی، مقیم کانپور نے بہت اچھا کیا کہ اِن بکھرے ہوے مضامین کو جمع کر کے کتابی شکل دے کر اُن کو منظرِ عام پر لانے کا سعادت مندانہ کام کیا۔ اللہ پاک اُن کی اِس کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اِس سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کی توفیق ارزانی کرے۔

نور عالم خلیل امینی
رئیس التحریر ''الداعی'' عربی
واستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

۱۱ر بجے دن، بہ روز دوشنبہ
۱۲ر رجب ۱۴۳۵ھ، ۱۲ر مئی ۲۰۱۴ء

عرض مرتب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "ان من اجلال اللّٰہ اکرام ذیشیبۃ المسلم" بزرگوں کا اکرام، تعظیم خداوندی کا ایک حصہ ہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے مشن کو زندہ رکھنا بعد الوفات تعظیم وتکریم ہے، یہ کتاب ایک ایسی ہی بزرگ ترین شخصیت الحاج حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے، جس کا وجود ملت اسلامیہ خصوصاً مشرقی یوپی کے لئے باعث فخر تھا، خدمت قرآن جس کا نصب العین تھا، اور خدمت قرآن کے اس شہ سوار نے اپنی پوری زندگی تبلیغ قرآن کے لئے وقف کردی تھی۔

حضرت حافظ صاحبؒ کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت اتباع سنت اور بدعت کی ہر قسم بلکہ اس کا سایہ بھی آپ کے لئے ناقابل برداشت تھا، دوسری بڑی خصوصیت خداشناسی وخودشناسی تھی، اس کے علاوہ اللہ رب العزت نے آپ کے اندر اثر آفرینی کی غیر معمولی صلاحیت رکھی تھی، ہر ملنے جلنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو آپ کے ''جلوہ جہانِ آرا'' سے متاثر نہ ہوا ہو۔

آپ کی وفات پر امت کے ہر طبقہ نے اپنا خراج عقیدت پیش کیا اور رسائل وجرائد میں آپ کے متعلق مضامین شائع ہوئے، یہ کتاب انہیں مضامین کا ایک مختصر مجموعہ ہے جس کو احقر نے پچھلے سال ۲۰۱۴ء (تعلیم کے ساتھ ساتھ) جمع کرنا شروع کیا تو حافظ صاحبؒ سے قلبی لگاؤ رکھنے والے بہت سے احباب ورفقاء، اور اساتذۂ کرام نے بھی پُرخلوص تعاون کیا جس کی وجہ سے ایک مختصر اور جامع تذکرہ تیار ہو گیا البتہ اس میں احقر نے اپنی کم مائیگی کے باوجود چند مضامین کو مختصر کرکے مرتب کیا ہے۔

ہماری یہ پہلی طالب علمانہ کوشش ہے جس کو احقر نے ازراہ قلبی تعلق وشاگرد کے مرتب کیا ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا کوئی بات چھوٹ گئی ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

ہم بے حد ممنون ومشکور ہیں حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ العالی کے کہ ہماری درخواست پر باوجود عدیم الفرصتی کے بیش قیمتی مقدمہ اور پیش لفظ تحریر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی اور کتاب کی اہمیت میں اضافہ فرمایا، اس کے علاوہ ہم ان تمام احباب ورفقاء کے دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہیں جنہوں نے اس کتاب کے لئے کسی بھی طرح کی اعانت فرمائی خاص طور پر حافظ محمد آفتاب عالم صاحب۔

میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ میری اس کاوش کو قبول فرما کر آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے اور لوگوں کے لئے نفع بخش بنائے۔ "ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم"۔ آمین

محمد سعد خان ندوی

۱۸/ دسمبر ۲۰۱۴ء، ۱۸/ رجب ۱۴۳۵ھ

مختصر تعارف حضرت حافظ صاحبؒ

خاندانی پس منظر:۔ حافظ صاحبؒ کا جس خاندان سے تعلق تھا وہ اپنی شرافت ونجابت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، آپ کے والد حاجی عبداللہ بہت نیک صفت صوم وصلوۃ کے پابند تھے، والدہ صاحبہ بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں۔

جائے پیدائش :۔ مشرقی یوپی کے مشہور ضلع گونڈہ کے قصبہ کرم ڈیہہ میں ۱۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش بعض لوگوں نے تحریر شدہ نہ ہونے کی وجہ سے ۱۲/۱۳/۱۷/۱۹۱۹ء بھی ذکر کیا ہے۔

تعلیم کا پہلا مرحلہ:۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر مڈل تک کی تعلیم ہلدھرمؤ اور قصبہ دھانے پور میں حاصل کی اس زمانہ میں مڈل تک کی تعلیم حاصل کرنا بڑے فخر کی بات تھی۔

تعلیم کا دوسرا مرحلہ:۔ حفظ قرآن کریم ہے اس کے لئے آپ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں صفر ۱۳۵۲ھ میں داخلہ لیا، اس زمانہ میں آپ کے بہت قریبی عزیز قاری عبدالوھاب صاحبؒ قاری عبدالملکؒ کے درجہ میں معاون مدرس تھے۔

درس و تدریس: (پہلا مرحلہ) فراغت کے بعد آپ کو بانئ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ حضرت قاری عبدالوھاب صاحب نے مدرسہ میں ناظرہ پڑھانے کیلئے رکھ لیا البتہ کچھ ہی دنوں میں آپ اتنے مقبول ہوئے کہ درجہ حفظ آپ کے سپرد کیا گیا، ۲۲/سال تک مسلسل اس کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے۔

دوسرا مرحلہ:۔ ۱۹۵۶ء میں ندوۃ العلماء کے نائب ناظم حضرت مولانا معین اللہ ندویؒ کی تحریک پر اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مشورے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء

میں درجۂ حفظ کے نظام اور اس کی اساس کے لئے تشریف لائے۔ یہاں پر آپ نے تقریباً ۲۰/سال بے لوث ہوکر صرف اور صرف خدمت قرآن کو انجام دیا۔

تیسرا مرحلہ:۔ یہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے دور اہتمام کا ہے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے دگرگوں حالات کے پیش نظر آپ کو عمائدین شہر نے دوبارہ بلالیا اور مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سونپی اس ذمہ داری کو آپ نے مرتے دم تک الحمدللہ بحسن خوبی انجام دیا۔

نکاح:۔ جس سال آپ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں پڑھانا شروع کیا اسی سال قاری عبدالوھاب صاحبؒ نے اپنی اکلوتی ہمشیرہ کی شادی آپ سے کردی۔

حج:۔ حافظ صاحب نے متعدد حج وعمرہ کئے پہلا حج ۱۹۵۶ء میں کیا اور پھر تقریباً ۱۲/حج کئے اور ۲۰/یا ۲۲/عمرہ کئے، آپ کعبۃ اللہ کی زیارت کے بہت ہی شوقین تھے اور ہمیشہ مخصوص دعائیں پڑھا کرتے تھے۔

بیعت و خلافت:۔ نوعمری ہی میں حضرت شیخ الہندؒ کے خلیفہ حضرت مولانا ضرغام الدینؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد خط وکتابت کے ذریعہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر بیعت بھی ہوئے ۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے منسلک ہوئے اور پھر اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے۔

وفات:۔ چہارشنبہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء مطابق ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ ظہر کے وقت ایک بجکر ۱۰ منٹ پر آشیرواد اسپتال ضلع گونڈہ یوپی میں اس دار فانی سے داعئ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون.

اھل خاندان:۔ حافظ صاحبؒ کے علاوہ دو بھائی اور تین بہنیں تھیں (سب سے چھوٹے بھائی جن کا نام عبدالجلیل تھا حافظ صاحب سے ہی حفظ کیا) ایک بہن کے علاوہ سب وفات پاچکے ہیں، اس کے علاوہ آپ کی ۲ صاحبزادیاں ہیں اور دونوں باحیات وصاحب اولاد ہیں۔

(۱) عائشہ خاتون (حاجی عبدالقیوم صاحب)، (۲) میمونہ خاتون (مولانا عبدالحفیظ صاحب)

مدفن:۔ گلاب شاہ تکیہ محلّہ میواتیان ضلع گونڈہ یوپی

حافظ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حافظ محمد اقبال صاحب گونڈہ کی ایک عظیم اور بزرگ شخصیت تھے وہ ایک ممتاز حافظ قرآن ہی نہیں اس کے معلم بھی تھے، مولانا عبدالوہاب صاحب اور قاری عبدالمالک صاحب جیسے اساتذۂ فن سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا، ان سے حفظ کی تعلیم کیساتھ ساتھ دینی تربیت کا کام بھی بہت اچھے ڈھنگ سے انجام پارہا تھا تقویٰ اور دینی احتیاط اور ذکر و عبادت کا ان کو اہتمام تھا، اور اسی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مشغلہ بنایا، اور اس میں بہت اخلاص کے ساتھ اور دینی جذبہ سے لگے ہوئے تھے، اور حفظ قرآن کی تعلیم دینے والوں میں وہ اپنی خصوصیات میں ممتاز تھے، اس کو وہ اپنی دنیاوی ضرورت کے تحت نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنی دینی ترقی اور آخرت کی سرفرازی کے لئے اختیار کئے ہوئے تھے، اس بات کا خود وہ دعویٰ نہیں کرتے تھے، لیکن ان سے قریبی واقفیت رکھنے والوں کو اسی کا اندازہ اور اسی کا احساس تھا، اور جس کو بھی ان سے سابقہ پڑا اس کا یہی احساس تھا۔

گونڈہ میں مدرسہ فرقانیہ کو ان کے پیش رو مولانا عبدالوہاب صاحب نے قائم کیا تھا، جو خود اپنی جگہ پر ایک بزرگ شخصیت تھے، اور انہوں نے بڑے دینی جذبہ اور کتاب اللہ کی خدمت کے تقاضے سے اس مدرسہ کو قائم کیا تھا، اور ان کے جذبہ ہی کی برکت تھی کہ مدرسہ کو ان کے بعد چلانے کے لئے حافظ محمد اقبال صاحب جیسا منتظم و مدرس ملا۔

ان کی اسی خصوصیت کو دیکھ کر ان کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں لایا گیا کہ یہاں پر

وہ حفظ کے درجہ کی سرپرستی کریں اور ان کی سرپرستی میں یہاں حفظ کا نظام چلایا جائے، ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے خاص طور پر اس کی فکر کی، اور ناظم ندوۃ العلماء مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے توجہ فرمائی، چنانچہ حافظ اقبال صاحب گونڈہ سے اس کام کے لئے بلائے گئے، انہوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ کام کو چلایا، اور ایک مؤثر نظام بنایا، جس کا اچھا نفع حاصل ہوا، اور اس سے اچھے شاگرد تیار ہوئے۔ پھر وہ گونڈہ کے مدرسہ کے تقاضے کی بناء پر وہاں واپس گئے، اور یہاں درجہ حفظ کو ان ہی کے شاگردوں نے سنبھالا اور ان ہی کے اختیار کردہ طریقہ پر چلایا، اور الحمدللہ آج بھی اسی طریقہ پر حفظ کا نظام دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قائم ہے، اور اس سے طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور پھر مزید یہ کہ ندوۃ العلما کی دیگر شاخوں میں بھی اسی طرز پر حفظ کا نظام چلایا جارہا ہے، اور قرآن مجید کا فیض ندوۃ العلماء کے سارے حلقوں میں جاری ہے۔

حافظ محمد اقبال صاحبؒ دیندارانہ نظام زندگی رکھتے تھے اور اس کے پوری طرح پابند تھے اور اس کے لئے اپنے وقت کے بزرگوں سے تعلق رکھتے تھے، اصلاح وارشاد کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ سے منسلک تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ سے بھی اچھا تعلق تھا، اور ندوہ میں ان کے آنے میں ان دونوں بزرگوں کے مشورے اور کوشش کو خاص دخل تھا، ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس انتخاب کو بہت پسند کیا تھا، اور مولانا کے نائب و معاون مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ نے اس میں بہت دلچسپی لی۔ مولانا معین اللہ صاحب ندویؒ کو اس بات بڑی کی فکر تھی کہ ندوۃ العلما کے حفظ کے نظام کو ایسا شخص ہی چلائے جو تعلیمی صلاحیت بھی اچھی رکھتا ہو اور قرآن مجید جیسی متبرک کتاب سے اسی دینی جذبہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہو جس کا اس عظیم کتاب سے تعلق رکھنے کی ذمہ داری ہو۔ اور یہ خصوصیات انہوں نے حافظ محمد اقبا صاحب میں محسوس کیں۔

ان کے ندوہ میں رہنے کی خاصی مدت میرے سامنے ہے میں دیکھتا تھا اور ندوہ

میں میری ان سے ملاقات بھی ہوتی تھی ان کو دیکھ کر میرا احساس ان کے بارے میں بہت اچھا تھا، اور کسی بھی ادارے میں ان کے رہنے کو میں صرف مفید نہیں بلکہ دینی فضا کو تقویت پہونچانے کا باعث سمجھتا تھا۔ ندوہ سے جانے کے بعد ان سے ان کی خیریت معلوم ہوتی رہی اور وہ لکھنؤ جب آتے تو ندوہ آتے اور ملاقات کرتے، ندوہ سے جانے کے بعد بھی ان کا ندوہ سے بڑا تعلق رہا اور ندوہ والوں کا ان سے تعلق رہا۔

وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی مدت بھی دراز فرمائی جس میں قرآن مجید سے ان کے تعلق کی برکت معلوم ہوتی ہے۔ ان کی انہی خوبیوں کی بناء پر ان کے انتقال کو سب نے بڑا نقصان محسوس کیا۔ اگر چہ وہ آخر میں خاصے ضعیف ہو گئے تھے اور علالت کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا، جس کے لئے ان کو ڈاکٹروں سے قریب رہنے کی ضرورت تھی، لیکن وہ قرآن مجید سے تعلق میں انقطاع نہیں پسند کرتے تھے، اور بہت ضروری حد تک علاج کے ماحول میں رہ کر گونڈہ میں اپنے مرکز عمل میں جاتے اور قرآن مجید کی خدمات جاری رکھتے حتی کہ آخری دن جس میں ان کا انتقال ہوا اس دن بھی قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور مدرسہ میں اس نظام کی نگرانی انجام دی۔ اس طرح وہ قرآن مجید کے عمل میں تا عمر مشغول رہے، ہمیں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ ان کے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہاں ان کے قدردانوں کی بڑی تعداد ملی، اور اندازہ ہوا کہ ان کو ان کی دینداری اور حفظ قرآن کی خدمت سے کتنی مقبولیت اور لوگوں کی قدردانی حاصل ہوئی، یہ دین اور حفظ قرآن سے تعلق رکھنے والوں کے لئے قابل رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور اپنے کلام مقدس کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ اجر عطا فرمائے اور اس خلا کو پر فرمائے جو ان کی وفات سے ہوا ہے، آمین۔ (بحوالہ تعمیر حیات لکھنؤ)

فضیلۃ الحاج الحافظ محمد اقبالؒ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وایڈیٹر البعث الاسلامی، لکھنؤ

صوبہ اتر پردیش کے شہر گونڈہ میں مدرسہ فرقانیہ کے مہتمم اور دار العلوم ندوۃ العلما کے شعبہ تحفیظ القرآن کے بانی الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ نے پیر میں فالج کے اثر سے لمبی مدت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہ دیا۔ مرحوم کافی دنوں سے علیل تھے اور وہیل چیئر کے سہارے ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ مطابق ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ کو اپنی عمر کے ۹۷ سال مکمل کر کے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نہایت کشادہ قلب نیک مزاج اور نرم خو تھے، قرآن کریم کے مانے جانے حافظ اور لائق افتخار مدرسین میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور اس تعلق سے ملک و بیرون ملک میں آپ کو بڑی شہرت حاصل تھی ہندوستان کے علاوہ ایشیا، افریقہ، برطانیہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے زانوئے تلمذ طئے کیا۔

آپ کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں دار العلوم ندوۃ العلما کے شعبہ ''تحفیظ القرآن'' کا قیام عمل میں آیا اور آپ کی محنتوں طلبہ و مدرسین کے اخلاص تقویٰ، پرہیز گاری، تلاوت کلام اللہ، نماز کے اوقات کی پابندی، نوافل اور تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کے نتیجہ میں اس شعبہ نے خوب سے خوب ترقی کی اور آپ خود بھی اخلاص و تقویٰ کے بلند مقام پر فائز تھے اور نہایت سادگی و قناعت پسندی کی زندگی گزارتے اور اس پر بڑے شکر گزار رہتے تھے، الحمد للہ اللہ رب العزت نے آپ کو ایسی دینی

خصوصیات سے نوازا تھا جسکی نظیر آج ہمارے معاشرہ میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا یہ شعبہ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کے لئے ایک نمونہ اور تعلیم و تربیت کے میدان میں ممتاز نظر آتا ہے۔

مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلما میں ۲۰ سال پر مشتمل ایک خوشگوار عرصہ گزارنے اور حفاظ قراء کی ایک بڑی کھیپ تیار کرنے کے بعد حالات کی مجبوری کی وجہ سے اس شعبہ کی ذمہ داری اپنے ممتاز شاگردوں کے سپرد کر دی اور خود مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ذمہ داروں کے اصرار پر وہاں جا کر منصب اہتما کو رونق بخشی الحمد اللہ آپ کے دور اہتما میں خوب ترقی ہوئی اور مدرسہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔

حافظ صاحبؒ صلاح وتقویٰ ذمہ داری کا احساس، اور اسکو سنجیدگی وامانت داری سے انجام دینے کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے، آپ ہر معاملہ میں ثواب کی امید رکھتے ہوئے اللہ کی جانب رجوع کرتے تھے آپ صحیح معنوں میں آیت کریمہ (ومن اوفیٰ بما عاهد عليه الله فسيؤ تيه اجراً عظيما) کے مصداق تھے۔

اللہ رب العزت آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں بہترین نعمتوں سے آپ کا اکرام اور اہل وعیال کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے (واللہ ولی المتقین) (ماخوذ از البعث الاسلامی عربی لکھنؤ)

خدا کا ایک قدرے گم نام
لیکن انتہائی نیک نام بندہ

مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب
استاذ ادب عربی ورئیس التحریر ''الداعی'' عربی دارالعلوم دیوبند

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق

کئی سال سے بڑھاپے کے بہت سارے عوارض اور طرح طرح کے امراض سے لڑتے ہوئے، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم وسرپرست، مرد ربانی حافظ محمد اقبال گونڈوی ۹۵-۹۶ سا کی عمر میں اپنے وطن گونڈہ میں چہارشنبہ ۲۶/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۰۸ء کو ایک بج کر تقریباً دس منٹ پر ظہر کے وقت اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ اللہ پاک بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔

چہارشنبہ وپنج شنبہ کی درمیانی شب میں تقریباً دس بجے ان کی نماز جنازہ ملک کے ممتاز عالم دین، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم وسرپرست حضرت محمد مولانا رابع حسنی نے پڑھائی نماز جنازہ میں بری تعداد میں علماء صلحا وطلبہ کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں عوام نے شرکت کی، جس میں ان کے معتقدین ومحبین کی خاصی تعداد بھی دور دور سے وقت کی قلت کے باوجود شریک ہو جانے میں کامیاب رہی

حافظ محمد اقبالؒ نے عمر دراز یعنی ۹۵-۹۶ سال کی زندگی پائی۔ اپنی عمر کے ۶۷

سال انہوں نے کتاب الٰہی قرآن پاک کی تحفیظ و خدمت میں صرف کیے۔ان کی زندگی صلاح وتقویٰ اور زہد ورع کا نمونہ تھی۔وہ اپنے بہت سے عمروں اور رفقائے کار ومتعارفین کے لیے بہ جا طور پر اس حوالے سے قابل رشک رہے کیوں کہ اپنی سی کوشش اور چاہت کے باوجود، وہ نیکی و پرہیز گاری میں ان کی سطح کو نہ پا سکے۔وہ برصغیر کے صلحائے مشاہیر میں شمار نہ ہونے کے باوجود میرا خیال ہے اور شاید میری طرح ان کے بہت سے متعارفین کا بھی یہی خیال ہوگا کہ وہ بہت سے شہرت یافتہ علما وصلحا سے زہد واتقا اور سادہ اور کفاف کی زندگی گزارنے میں بالیقین فائق تھے۔

شریعت اسلامی نے کسی آدمی کے واقعی نیک اور خدا ترس ہونے کا یہ معیار بتایا ہے کہ اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے کو خدا یاد آجائے اور اس کی صحبت میں جتنا زیادہ وقت گزارا جائے صحبت یافتوں کو اسی درجہ اپنے خدا سے تعلق میں اضافہ محسوس ہو دنیا سے اس کا رشتہ کم زور اور خدا سے اس کا رشتہ مظبوط تر دکھائی دے۔میں اللہ کو گواہ بنا کے یہ بات کہتا ہوں کہ حافظ محمد اقبالؒ سے جب جب ملا ایک عجیب سی ایمانی لذت اور روحانی کیفیت محسوس ہوئی، جس کو میں صحیح طور پر اپنے الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ایسی ایمانی لذت بعض دفعہ بعض معروف علمائے صالحین کی صحبت میں بھی محسوس نہ ہوئی، جن کے یہاں ارادت مندوں، معتقدوں اور دست گرفتوں کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔

دین داری سے دمکتا ہوا مکھڑا

وہ انتہائی منحنی، ہلکے پھلکے بدن کے آدمی تھے سرخ وسفید، متوسط القامت، چہرے پہ ہلکی سے داڑھی مگر انتہائی روشن رو تھے۔ان کے ہونٹوں پہ ہمہ وقت مسکراہٹ رقصاں رہتی۔کسی بھی ملنے والے کو ان کے مختصر وجود سے قبل ہونٹوں پر کھیلتی ان کی مسکراہٹ سے سامنا ہوتا۔ہر ملنے والے کو محسوس ہوتا کہ حافظ محمد اقبال اس کی اپنی جان سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔نظر پڑتے ہی وہ سلام کرتے اور خبر خیریت دریافت کرتے تو ملنے والے کو لگتا

کہ ان کی شخصیت اس کے اندر سرایت کر رہی ہے ان کا وجود اس کے اندر تحلیل ہو رہا ہے۔وہ واقعتاً جذبات واحساسات کو بانٹتے محسوس ہوتے اور صاف معلوم ہوتا کہ وہ ملاقاتی کی ذات کا حصہ بن گئے ہیں خواہ ملاقاتی ان کی ذات کا حصہ نہ بن سکا ہو۔ان کی زبانی ان کے ضمیر کی ترجمان تھی ان کے ظاہر و باطن میں ایسی یکسانیت تھی جو کم ہی ہوتی ہے خدا شاہد ہے کہ میں نے ان کے ایسے بہت کم لوگ دیکھے ہیں جس کی زبان دل کی اور دل زبان کا ترجمان ہو۔اس کے برعکس میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور تجربہ کیا ہے جن کی نیکی کی دھوم مچی ہوئی تھی لیکن وہ تجربے کے بعد شہرت کے معیار مطلوب پر پورا نہیں اتر سکے، اس وقت بہت افسوس ہوا اور دل میں ایسا منفی اثر قائم ہوا کہ اس کی وجہ سے سارے ان لوگوں سے بہت بدظنی ہوگئی جو نیکیوں کے لباس میں تو ہوتے ہیں، لیکن ذرا بھی نیک نہیں ہوتے۔

بہت سے قدآور علما سے زیادہ قدآور ''حافظ''

حافظ محمد اقبال رسمی طور پر ''عالم'' نہ تھے انہوں نے کسی مشہور یا غیر مشہور مدرسے سے عالمیت وفضیلت کی سند حاصل نہیں کی تھی۔وہ صرف قرآن پاک کے حافظ تھے اور بس وہ غالباً باقاعدہ تجوید وقراءت کی بھی سند نہیں رکھتے تھے، اسی لیے وہ صرف ''حافظ محمد اقبال'' تھے ''قاری محمد اقبال'' بھی نہ تھے چہ جائے کہ ''مولانا محمد اقبال'' ہوتے لیکن ''حافظ محمد اقبال'' مشرقی یوپی کے ایک بڑے علاقے میں ایک باوقار و پراعتبار نام بن گیا تھا، جس کا مصداق صلاح وتقویٰ، دین داری و پرہیز گاری، دنیائے دنی سے بے رغبتی اور رحمٰن کی چوکھٹ پر پڑے رہنے والے ایک بڑے نیک نام آدمی کی ناقابل شمار خوبیوں سے عبارت تھا۔ان کی دید وشنید کے دائرے کے مدارس کے ماحول کا کوئی آدمی جب بھی ''حافظ محمد اقبال'' سنتا تو اس کا دل اس یقین سے بھر جاتا کہ یہ وہی ذات ہے جس سے اللہ نے محبت کی ہے اللہ نے اس کو جان لیا ہے اور اسی نے اس کو اپنی مخلوق کی ایک معتد بہ تعداد میں مشہور کر دیا ہے اور اس کے دل میں اس کی محبت ڈال دی ہے ''حافظ محمد اقبال'' ایک ایسے

انسان کا استعارہ تھا جس کے دل میں ایمان کی بشاشت رچ بس گئی تھی اور اسلام کی عظمت اس کے رگ وریشے میں سما گئی تھی یہ انسان بداخلاقی، کج روی، سیرت کے بگاڑ، بد باطنی وغیرہ کی ساری آلودگیوں سے یکسر منزہ تھا، میں نے سال ہا سال دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں انھیں جیا اور برتا تھا۔ وہاں درجہ حفظ کی تاسیس ہی انہیں کے ذریعے عمل میں آئی تھی وہ عرصہ بیس سال تک وہاں اس کے روح رواں اور سرپرست رہے کچھ سالوں بعد میں بھی وہاں مدرس ہوا یہ بیسویں صدی کے آٹھویں دہے کی بات ہے حفظ وتجوید کے حلقے ان دنوں زیادہ تر سلیمانیہ ہاسٹل کی دوسری منزل کے وسطی ہال میں لگا کرتے تھے، ہال کی جانب شرق کے کمرے ہی درجہ حفظ کے طلبہ کی رہائش گاہ تھے راقم السطور ان دنوں اسی دوسری منزل پر جانب غرب میں ہال کے بغل کے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھا، حافظ محمد اقبال درجہ حفظ کے طلبہ کے کمروں، ہال میں واقع درجہ حفظ کے حلقوں دارالعلوم ندوۃ العلما کی مسجد اور اپنی رہائش گاہ کے درمیان، جو گومتی ندی کے سامنے دارالعلوم کی مرکزی عمارت کے مغرب میں واقع تھی ان گنت بار میرے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے نظر آتے، ان کی زبان ذکر اللہ سے ہر وقت تر رہتی ان کے ہاتھ میں باریک دانوں کی خوب صورت سی تسبیح ہوتی جیسے ہی کسی سے ان کی ملاقات ہوتی ان کی باچھیں کھل جاتیں وہ اسلام میں سبقت کرتے اور اس سے اس کی خیر خیریت دریافت کرنے میں پہل کرتے وہ جیسے ہی ملتے شدید سے شدید غم غلط ہو جاتا اچانک ملنے والے کو بھی ہمیشہ یہ محسوس ہوتا کہ وہ اپنے سب سے بڑے غم گسار اور ہم درد دیرینہ سے مل رہا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں دسیوں بار ان سے آتے جاتے ضرور ملاقات ہو جاتی اور ایک آدھ مرتبہ وہ میرے کمرے میں بھی منھ ڈال کر میری خبر خیریت معلوم کرتے تو لگتا کہ کسی ہم درد حکیم نے زندگی کے میرے زخم ہائے دامن دار پر مرہم ڈال دیا ہے۔ ان کے ایک تبسم اور ایک بول سے بھی ایسی حلاوت و برودت محسوس ہوتی، جس کا ادراک آسان اور اس کا بیان مشکل ہے۔ اس حلاوت و برودت کا سرچشمہ ان کی پختگی ایمانی قلب کی صفائی اپنے مولیٰ کی مخلصانہ عبادت، اپنے رب سے سچا

تعلق گناہوں سے اجتناب معاصی کے محرکات سے احتراز اور ہر مسلمان کے ساتھ ہمہ وقت حسن ظن تھا۔

علمائے صالحین کے محبوب

میں نے کسی لمحہ انھیں لایعنی میں مشغول نہیں پایا، وہ اپنے فرائض منصبی کو انتہائی ایمان داری چستی اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرتے یا تسبیح اوراد وظائف میں لگے رہتے، چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر ہمہ وقت ان کی زبان پر جاری رہتا ہے، عبادت وتلاوت ان کا امتیاز تھی، پابندی اوقات ان کی شناخت تھی، وہ قیام اللیل کے فرائض ہی کی طرح پابند تھے، ان کی آنکھوں اور چہرے بشرے سے شب بیداری کے اثرات چھلکتے تھے، وہ اپنے درجے کے طلبہ کو عشا کی نماز کے بعد بہ عجلت کھلا پلا کے سُلا دیتے اور رات کے آخری حصے میں جگا دیتے ایک گھنٹہ تلاوت اور تذکر کے بعد ہی صبح صادق طلوع ہوتی وہ طلبہ و مدرسین کو بھی پابند وقت بنائے رکھتے، وہ تحفیظ کے پختہ نظام کے وضع کرنے، اس کو برپا کرنے اور اس پر متعلقہ حفاظ وطلبہ کو کاربند رکھنے کے حوالے سے، لائق تقلید نمونہ تھے، اس سلسلے میں ان کی نیکی، دین داری اور ساری سرگرمیوں اور معاملات میں حسن اخلاق، نرمی و گدازی اور شفقت ومحبت کو بنیاد بنانے کی وجہ سے نہ صرف انھیں بڑی آسانی ہوتی بل کہ متعلقہ لوگوں کو بھی کوئی پریشانی محسوس نہ ہوتی۔ وہ اپنے سے وابستہ خدمت گزاروں کو بہ جلد مانوس کر لیتے اور خود بھی ان سے مانوس ہو جاتے، چنانچہ انھیں ان کے تحت کام کرنے میں بڑی سعادت محسوس ہوتی کسی بھی سرپرست، ذمے دار اور منتظم کی یہ سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس کے ماتحت لوگ کام کو بار نہیں بلکہ سعادت سمجھیں۔

حافظ محمد اقبال وقت کے چیدہ و برگزیدہ علما وصالحین کے ہاں ہمیشہ محبوب رہے وہ ان میں سے اکثر کے ہاں آتے جاتے اور ان کی صحبت ومجالست سے فائدہ اٹھاتے اور زاد آخرت کے حصول کی راہ کی رکاوٹوں کے دور کرنے کا طریقہ ان سے سیکھتے، چنانچہ حکیم

الامت حضرت تھانویؒ کے لوگوں میں پروفیسر مولانا عبدالباری ندویؒ (متوفی جمعرات ۳۰؍جنوری ۱۹۷۶ء۔۲۶؍صفر ۱۳۹۶ھ) کی خدمت میں تقریباً روزانہ ہی حاضر ہوتے جن کا مکان لکھنؤ میں ڈالی گنج کے علاقے میں سیتاپور روڈ پر واقع تھا اور اس وقت وہ بستر مرض و شیخوخت پر تھے جو بالآخر بستر مرگ ثابت ہوا، مولانا عبدالباری ندویؒ کے ہاں آمدورفت میں اکثر یہ راقم ان کے ساتھ ہوتا اس طرح دونوں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا اسی طرح اکثر ان کی معیت میں اسلامی اہل قلم، داعی الی اللہ اور عمیق العلم عالم و شیخ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء۔۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء) کی ملاقات کو بھی جاتا حافظ صاحب انہی کے دست گرفتہ اور ان کے خلیفہ و مجاز بھی تھے۔ حافظ محمد اقبال ناظم ندوۃ العلما مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء۔۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) کے ہاں بھی بڑے محبوب و محترم تھے اور ان کے شاگرد رشید و دست راست و نائب ناظم ندوۃ العلما مولانا معین اللہ ندویؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) تو ان کے بہت ہی قدر داں تھے۔ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی (متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) کی خدمت میں بھی وہ کثرت سے حاضر ہوتے اور ان کے سوز دل و تپش جگر سے اپنے دل کی بھٹی گرم کرتے۔

ان کے متقی ہونے کی یقینی علامت

انسان کی نیکی کی غالباً سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس سے محبت ہو اور عام مسلمانوں کے دل بھی اس کی طرف اس طرح کھنچتے ہوں جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف اور ہر انسان کو اس کی صحبت سے انسیت محسوس ہوتی ہو، بلکہ ہر آدمی اس کو اپنا جگری دوست باور کرتا ہو۔ حافظ محمد اقبالؒ اس معیار پر مکمل طور نہ صرف اترتے تھے بلکہ وہ ان صلحا میں تھے جنھیں دیکھ کر ہی یہ معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ وہ تادم حیات اس معیار پر قائم رہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے رب نے ہی انھیں اس معیار کا بنایا تھا اور خدائے کریم کے کرم سے امید ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ جنت میں بھی مقام اعلیٰ عطا کرے گا اور انبیا و صدیقین

، شہدا و صالحین کے جوار میں انھیں جگہ دے گا اور یہی لوگ بہترین ساتھی ہیں۔

حافظ محمد اقبالؒ نے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حفظ قرآن پاک کیا اور وہیں تقریباً ۲۰ سال تک مدرس حفظ رہے اسی اثنا میں مولانا علی میاں ندویؒ کی نظر انتخاب ان پر پڑی اور دارالعلوم ندوۃ العلما میں درجۂ حفظ کے قیام و انصرام کے لیے انھیں اپنے ہاں بلا لیا، یہاں بھی انھوں نے کم و بیش بیس سال گزارے پھر وہ اپنی مادر علمی و مادر وطن مدرسہ فرقانیہ گونڈہ واپس آ گئے اور زندگی کا باقی حصہ مدرسے کے انتظام و انصرام اور تحفیظ قرآن پاک کی خدمت میں گزارا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی نیک نامی و نیک کامی میں اضافہ ہوتا گیا اور اسی سعادت مندانہ حالت میں انھوں نے وفات پائی۔ وہ عرصے سے نحیف و نزار اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے وہیل چیئر پر ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے تھے لیکن اس حالت میں بھی وہ تحفیظ کی درس گاہ میں آ کر آنکھیں بند کیے بیٹھے رہتے اور طلبہ حفظ قرآن میں مشغول رہتے، وہ ان کی مبارک آواز سن کر سکون قلب محسوس کرتے۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی محبت و عقیدت کی برکت سے راقم کو بھی حسن خاتمہ کی سعادت سے سرفراز کرے۔ اللہ پاک ان کے سارے پس ماندگان و محبین کو صبر و جزا سے نوازے۔ آمین۔ (بحوالہ پس مرگ زندہ)

حافظ صاحبؒ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب
سابق ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ملک سے باہر کا قیام ان موقعوں پر بڑا گراں گزر جاتا ہے جب اپنے گھرانوں میں سے یا خاص تعلق والوں میں سے کسی یکا یک گزر جانے کی خبر آجاتی ہے۔ حافظ محمد اقبال صاحب جن کے لئے ہماری زبانوں پر لفظ حافظ جی ہوتا تھا، ان کے انتقال کی خبر ایسے ہی آئی اور اپنی دوری شاق گزر گئی۔ کیا تعلق حافظ صاحب کو ہم لوگوں کے ساتھ حضرت والد مرحوم سے تعلق کی بنا پر تھا۔ ان کی خدا طلبی کی علامات کو دیکھتے ہوئے بس ایک خوش نصیبی کہی جانے والی بات ہے۔

حضرت والد صاحب کی زندگی میں ادھر جانا ہوتا تو لکھنؤ میں قیام ان کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ اور حافظ صاحب کی لکھنؤ آمد ہوتی تو وہیں ملاقات ہوجاتی۔ بعد میں بھی حسب عادت اسی مکان میں اترا، کہ والد صاحب اگرچہ اب نہ رہے تھے مگر حسان اور سجاد دونوں چھوٹے بھائیوں سے وہ مکان اب بھی آباد تھا اور الفرقان کا دفتر وہیں تھا۔ مگر اب ان دونو ں سے بڑے حفیظ نعمانی کا اصرار ہونے لگا کہ اب تو میرا حق ہے کہ آپ آئیں تو قیام میرے ساتھ ہو۔ اور بالآخر یہ اصرار غالب آگیا اور اب دو سال سے میرا لکھنؤ کا قیام وہیں ہونے لگا۔ اب حافظ صاحب کی لکھنؤ تشریف آوری ہوئی اور میں دفتر الفرقان والے گھر میں نہ ہوا تو باوجود اس کے کہ بہت کمزور ہو چکے تھے، حفیظ میاں ہی کے یہاں ملنے کی زحمت فرماتے۔ میں بھائی بہنوں میں بڑا ہونے کی بنا پر بھائی صاحب کہلاتا تھا، حافظ

صاحب بھی اسی نام سے یاد فرماتے، حالانکہ وہ عمر میں مجھ سے بہت کافی زیادہ تھے۔ اللہ قبر پر رحمتیں نازل فرمائے۔ کیا محبت، کیا سادگی اور کیا وضعداری تھی!

آخری ملاقات غالباً اس سال کے شروع میں الفرقان کے دفتر میں ہوئی تو کمزوری کا وہ عالم نظر آیا کہ بس اللہ ہی اللہ ہے۔ میں نے کہا حافظ جی ایسی کمزوری میں بھی سفر ہو رہا ہے! تو پتہ چلا کہ اس دفعہ ایک طالبعلم کو ساتھ لے لیا ہے۔ گویا خود بھی اس درجہ کمزوری کا احساس ہو چکا تھا کہ اب تنہا سفر مناسب نہیں۔ ورنہ معلوم ہوتا تھا کہ حافظ صا حب کے لئے، جو دیکھنے میں کوئی مضبوط قسم کے آدمی جسمانی اعتبار سے نہ تھے۔ سفر میں کچھ رکھا ہی نہیں تھا۔ ایک جھولا اور چادر اٹھائی اور چلدئے۔ وہ ایک ایسے شاندار مدرسۂ حفظ وقراءت کے سربراہ تھے کہ میں دو سال قبل پہلی مرتبہ وہاں پہنچا تو بلند و بالا وسیع عمارت دیکھ کر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ ہمارے حافظ صاحب کا مدرسہ ہے۔ حافظ صاحب کو جس سادگی اور بے نفسی میں میں دیکھتا آیا تھا اس کے ساتھ اس شاندار سے جوڑ لگتا تو کیسے لگتا۔ حافظ صاحب صرف ایک ایسے شاندار مدرسے کے (جس کے طلبہ اور عمارات کی کچھ تفصیل گزشتہ ماہ کے الفرقان کے بعض مضامین میں آچکی ہے) سربراہ ہی نہ تھے۔ اپنے علاقے کے شیخ بھی تھے۔ مگر تھرڈ کلاس میں (جواب سکینڈ کہلانے لگا) اکیلے سفر کی وضع نہ بدلی۔

یہ بات کہ حافظ صاحب اپنے علاقے میں ایک شیخ کا مرتبہ رکھتے تھے، مجھے اس کی کوئی باقاعدہ تحقیق تو نہ تھی، نہ میرا ادھر آنا جانا تھا لیکن ایسی علامات دیکھتا تھا جن سے اس کا یقین سا تھا، اور لکھنے میں کسی تامل کی ضرورت نہ تھی لیکن یہ تحریر مکمل ہونے تک اس قریب بہ یقین گمان کی تحقیق کی صورت بھی من جانب اللہ بن گئی، حافظ صاحب سے متعلق اس تحریر کا آغاز کرتے ہوئے بعض معلومات کے لئے ذہن حضرت والد صاحب کے اسی علاقے کے مسترشدین میں سے بھائی رحمت اللہ صاحب (بانئ مدرسۂ مظہر العلوم، نوگئیاں، ضلع بہرائچ) کی طرف گیا، جن کا مضمون بھی بانئ الفرقان نمبر میں شامل ہے اور حافظ صاحب کے بہت ہی خاص تعلق والوں میں ہوتے تھے وہ میرے خط کے جواب میں حافظ صاحب

کی وفات پر اپنے صدمے اور تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''انہیں کے ذریعے سے ہم سب کو ہمارے سارے علاقے کو صحیح دین نصیب ہوا۔ انہیں کے ذریعہ مرکز اصلاح وتبلیغ لکھنؤ سے تعلق ہوا اور حضرت مولانا نعمانی صاحب علیہ الرحمہ ومحترم مولانا علی میاں علیہ الرحمہ جیسے بزرگوں اور اللہ والوں سے تعلق ومحبت اور ان حضرات کے پاس آنے جانے کی توفیق انہیں کے طفیل نصیب ہوئی۔'' پھر اسی حوالے سے اپنے مدرسے کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ہر دوسرے تیسرے مہینے مدرسہ آکر اس کی خبر گیری کرتے رہتے'' اور یہ بھی کہ مدرسے کی اس آمد ورفت میں لوگ ان سے بیعت بھی ہوتے رہے جس کی درخواست انہوں نے حافظ صاحب سے اس گمان پر کی کہ ان کو حضرت نعمانیؒ سے اجازت حاصل ہے۔ اور یہ درخواست قبول کئے جانے ہی سے پتہ چلا کہ اجازت وخلافت کا ان کا اندازہ صحیح تھا۔'' اللہ بھائی رحمت اللہ صاحب کو جزائے خیر دے ان کی تحریر سے حافظ صاحب کی یہ بلند ظرفی بھی سامنے آئی کہ اتنے قریبی لوگو ں پر بھی ان کی اجازت وخلافت مخفی چلتی رہی تھی۔

حضرت والد صاحب کے حین حیات تو حافظ سے رابطہ بس انہی دنوں ہوتا تھا جب لکھنؤ جانا ہو جائے۔ لیکن یہ شمع گل ہوئی تو حافظ صاحب کے اندر کے تعلق نے یہ صورت دکھائی کہ خطوط کے ذریعے یاد فرمانے لگے۔ اور پھر ایسی پابندی ہوئی کہ کوئی مہینہ شاید ناغہ نہ جاتا۔ رہ رہ کر افسوس ہو رہا ہے کہ ادھر ہندوستان سے واپسی کے بعد سے کئی ماہ گزر جانے کے باوجود میرا دھیان اس طرف کیوں نہ گیا کہ حافظ جی کا کوئی گرامی نامہ نہیں آرہا۔ اور یہ بھی یاد نہیں آیا کہ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے جو آخری ملاقات ہوئی تھی اس میں وہ انتہائی ضعف کو پہنچے ہوئے نظر آئے تھے۔ جس کے بعد اپنا فرض تھا کہ خیر طلبی کے لئے رابطہ کیا جائے۔ کچھ ایسے الجھاؤ یہاں آتے ہی صحت نے اختیار کئے اپنے لکھنے لکھانے کے منصوبے اس بری طرح متاثر ہونے لگے۔ اور اس چیز نے ساری توجہ ان منصوبوں اور صحت کے عدم توازن پر مرکوز کئے رکھی۔ پھر اس غفلت کی آنکھ اس وقت کھلی جب حافظ جی کے اٹھ جانے کی خبر یکا یک آئی۔ اللہ ان کی محبت اور حسن تعلق کی بہترین جزا ان کو دے۔

اتنے قدیم اور قریبی تعلق کے باوجود جس کا اندازہ قارئین کو عزیزی سجاد میاں کے مضمون (الفرقان ستمبر) سے ہوا ہوگا، حافظ صاحب کو اس طرح دیکھنے کا موقع مجھے کبھی نہیں ملا جسے ''قریب سے دیکھنا'' کہتے ہیں۔ البتہ ایک بات کا پوری طرح اندازہ تھا کہ حافظ صاحب کو حضرت والد صاحب کے مزاج سے بہت مناسبت اور ہم آہنگی ہے، مشیخیت کا کوئی گزر یہاں نہیں تو وہاں بھی اس کا نام نہیں ہے۔ یہاں اخفاء ہے تو وہاں بھی اظہار گوارہ نہیں۔ ورنہ یہ بات کہاں ہوتی جس کا اوپر ذکر آیا، کہ ایک جھولا اور چادر اٹھائی اور تن تنہا سفر پہ روانہ ہو گئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت والد صاحب نے بھی (۱۹۷۶ میں معذوری کی صورت پیدا ہو جانے سے پہلے تک) بالعموم اکیلے ہی سفر کئے، جو آئے دن ہوا کرتے تھے اور اسی تھرڈ کلاس میں کئے کہ عوام سے دور ہونے نہ پائے۔ (اور یہ تذکرہ بھی اس ضمن میں کچھ غیر موزوں نہ رہے گا دینی اداروں کے خرچ پر سفر کے سلسلے میں تو حضرت والد صاحب کا مزاج یہ تھا کہ رابطۂ عالم اسلامی تک کے ایک جلسے میں سوال اٹھائے بغیر نہ رہے کہ رابطہ کیوں اپنے ارکان کو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ ایشو کرتا ہے، عام کلاس میں ممبران کو سفر کرنا چاہئے، حالانکہ وہ ٹکٹ تو سعودی خزانے سے بنتے تھے، اور سعودیہ کے لئے کوئی چیز ہی یہ چند ٹکٹ نہ تھے نہ ہی عرب ممبران اس کے روادار ہونے والے تھے نہ ہوئے۔)

الغرض حافظ صاحب مزاجاً ہم آہنگ تھے اور شیخ سے مزاجی مناسبت جس تقرب کا باعث قدرتی طور پر بنتی ہے اس کا بھی اتفاق سے ایک بھرپور اظہار حضرت والد صاحب کی وفات پر الفرقان کے یادگاری نمبر (۱۹۹۸) میں شائع ہونے والے ایک مضمون سے ہو گیا۔ یہ برادرم محمد حسان نعمانی کا مضمون تھا۔ اس مضمون میں والد صاحب کا ایک اصلاحی گرامی نامہ بھی شامل تھا جو کسی وقت برادر عزیز کے لئے لکھا گیا تھا۔ اور اس دور اختتام پر جو چند نصیحتیں بطور خاص تحریر فرمائی گئی تھیں ان میں سے ایک ان ''دینی شخصیات کے ساتھ حسن تعلق'' تھی جو حضرت والد صاحب کی معذوری کی وجہ سے گاہے بہ گاہے ملنے تشریف لے آتے۔ اور ان کا پہلا واسطہ باہر الفرقان کے دفتر میں حسان میاں ہی پڑتا، ان حضرات میں

تین کے نام بطور مثال درج فرماتے ہوئے لکھا تھا ''حضرت علی میاں مدظلہ، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حافظ محمد اقبال صاحب جیسے حضرات جو اس زمانے کے اہل اللہ میں سے ہیں'' دو نامور وں کے ناموں کے ساتھ تیسرا نام حافظ اقبال صاحب کا ہو، اس سے زیادہ تقرب کا کیا درجہ تلاش کیا جائے؟

عمر بھی اللہ نے بھرپور عطا فرمائی، اور مقدمہ فرمایا کہ کتاب عزیز کی خدمت میں صرف ہو۔ یہی خدمت ان کا اوڑھنا بچھونا بنی رہی سچ کہا گیا ہے کہ یہ خدمت ان کا عشق بن گئی تھی۔ کہیں ہوتے، بھاگ دوڑ کر درجے کے وقت پر مدرسے پہنچتے۔ کوئی نرینہ اولاد حافظ صاحب نے اگرچہ اپنے اس عشق کے تسلسل کے لئے نہیں چھوڑی مگر اتنے حفاظ بنا کر چھوڑ گئے ہیں کہ کوئی اولاد اس کا بدل نہیں ہوسکتی تھی۔ ہمارے اپنے گھرانے میں ان کی اس خدمت کی دو یادگاریں ہیں ، اور الحمدللہ خدمت دین ہی سے وابستہ۔ برادر عمزاد مولوی حافظ عبدالمؤمن سلمہ مہتمم وصدر مدرس مدینۃ العلوم سنبھل اور عزیزی مولوی حافظ محمد وسیم سلمہ مدرس مدینۃ العلوم جو بھیجتے ہوتے ہیں۔ حافظ صاحب نے اہلیہ صاحبہ کے علاوہ دو بیٹیاں (اور ان کی اولادیں) چھوڑی ہیں اور راقم کی اہلیہ جو مرحوم کی ندوے کی مدرسی کے زمانے میں ان کے یہاں آتی جاتی رہتی تھیں بڑی خوشی سے ان لوگوں کے دینی رنگ کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ اللہ ان سب کو حافظ صاحب کی جدائی کے صدمے کے اجر سے مالا مال فرمائے کہ بڑا تعلق حافظ صاحب کو بچیوں سے تھا۔

خادم القرآن حضرت حافظ محمد اقبال صاحب نوراللہ مرقدہ

مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب
استاذ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد وایڈیٹر ماہنامہ ندائے شاہی

تعلیم قرآن سے عشق کے درجہ کا تعلق رکھنے والے خوش نصیب اور بافیض بزرگ خادم القرآن حضرت حافظ محمد اقبال صاحب گونڈوی نوراللہ مرقدہ انتہائی زاہد فی الدنیا، صاحب ورع وتقویٰ اذکار واشغال اور نوافل کے پابند بزرگ تھے، اور اللہ کے ان خوش نصیب مقبول بندوں میں تھے جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے، عبادت کا نور آپ کے چہرے بشرے سے نمایاں تھا آپ کی گفتگو حکمت ریز اور باتیں عارفانہ ہوتی تھیں، بلاشبہ آپ فنافی القرآن تھے پوری زندگی قرآن ہی اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، ان کی زندگی کا نصب العین قرآن پاک کی ترویج واشاعت تھی، آپ کا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ سے تھا اور موصوف ہی سے آپ کو اجازت بیعت حاصل تھی، آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں تحفیظ القرآن کے شعبہ میں دسیوں سال خدمت انجام دی اور اس شعبہ میں نکھار پیدا کیا، آپ ہی کی توجہ کی بدولت ندوۃ العلماء کا یہ شعبہ دور دور تک نیک نام ہوا اور سیکڑوں بچوں نے آپ کی درسگاہ سے تکمیل حفظ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے ممتاز دینی ادارہ مدرسہ عربیہ فرقانیہ گونڈہ کی تدریسی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ضعف اور اعذار اور عمر کی زیادتی کے باوجود آخری لمحات تک ان مبارک مشاغل میں لگے رہے۔ موصوف کو اچھی نماز اور اچھے قرآن کی بڑی قدر تھی فرماتے

تھے کہ جس شخص کی نماز اچھی ہو یہ اس کے دین کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔اسی لئے مدرسہ کے طلبہ کو قرآن کریم کا رشتہ نماز سے قائم کرنے پر بہت زور دیتے تھے اور عموماً تحفیظ القرآن کے طلبہ کو نماز مغرب کو اوابین میں پارہ سنانے کا پابند بنایا جاتا تھا۔

راقم الحروف سے موصوف کی شناسائی تقریباً پچیس سال سے تھی، احقر کی جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی انتہائی انسیت محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا۔مرادآباد تشریف لاتے تو شروع میں مدرسہ شاہی میں مولانا عبدالجلیل خاں صاحب کے کمرہ میں قیام رہتا تھا، اور اخیر میں ضعیف العمری اور اعذار کی وجہ سے الحاج عبدالحفیظ خاں صاحب لال باغ کے یہاں قیام فرماتے تھے، لیکن ایک وقت کھانا یا ناشتہ کے لئے احقر کے غریب خانہ پر اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لاتے، اور نہایت مسرت کا اظہار فرماتے، اور انتہائی قیمتی نصائح سے نوازتے تھے۔بعض مسائل معلوم کرنے کے لئے تحریری سوالات بھی بھیجتے اور جواب پر پورے شرح صدر سے عمل فرمایا کرتے تھے۔ موصوف کی وفات سے پورا علاقہ گویا ایک عظیم سایہ سے محروم ہوگیا، اور اسلاف کی ایک جیتی جاگتی نشانی ہم سے اوجھل ہوگئی، اللہ تعالیٰ حافظ صاحب مرحوم کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں اور ان کے درجات بلند سے بلند فرمائیں، آمین۔(ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد)

اور آفتاب غروب ہوگیا

پروفیسر سید ضیاء الحسن ندوی صاحب
سابق استاذ اردو فارسی امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ایک قدیم ترین بزرگ استاد حافظ محمد اقبال ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو بدھ کے دن دوپہر میں ایک اور ڈیڑھ بجے کے درمیان اپنے معبود حقیقی سے جاملے۔اناللہ وانا الیہ راجعون.

حافظ صاحب کی نماز جنازہ ان کی خواہش کے مطابق آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی۔ایک اندازے کے مطابق نماز جنازہ میں تقریباً پچیس ہزار افراد شریک ہوئے جس میں بزرگان عظام، علمائے کرام، اہالیان شہر گونڈہ اور اطراف وجوانب کے معتقدین ومتوسلین کے علاوہ ان کے شاگرد حفاظ وقراء کی بڑی تعداد تھی۔رات میں تقریباً دس بجے مدرسہ سے تھوڑی دور تکیہ گلاب شاہ نامی قبرستان میں ایک جم غفیر کے ہاتھوں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ میں افراد کی کثرت کو بزرگان دین نے اچھی علامت بتلایا ہے۔افراد کی یہ زیادتی اگر ایک طرف حافظ صاحب کی مقبولیت کا پتہ دیتی ہے تو دوسری طرف اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لیا اور یہ حدیث تو مشہور ہی ہے کہ ''اللہ اپنے بندوں کے گمان کے قریب ہے'' امام ابن تیمیہؒ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ کسی عالم سے دوران گفتگو انھوں نے فرمایا تھا کہ ''یوم الجنازہ فیصلہ کن ہوگا'' بہر حال اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔

یہ حقیر ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہے جسے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۵ء تک حافظ صاحب کے زیر تربیت رہ کر ان سے حفظ کی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا، دوران قیام طلباء کے ساتھ حافظ صاحب کی شفقت ومحبت بھی دیکھی اور سختی ونرمی کے مراحل بھی نظر سے گذرے میں چونکہ حافظ صاحبؒ کے مرشد حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی سفارش پر وہاں پہنچا تھا اس لئے مجھ پر ان کی خاص نظر کرم تھی۔ میں کھانا بجائے مطبخ کے ان کے گھر میں ان کے ساتھ کھاتا تھا اور ناشتہ کا خصوصی انتظام استاذ حفظ وقرات حافظ خان زماں صاحب کے ساتھ تھا۔ یہ تعلق اور شفقت وعنایت بحمد للہ معمولی ردو بدل کے ساتھ گونڈے میں میرے پورے تعلیمی دور پر محیط رہا۔

۱۹۵۵ء کے بعد تقریباً ۲۰ سال میں اپنی عصری تعلیم اور الٰہ آباد میں اپنی ملازمت کی وجہ سے باقاعدہ ملاقات تو نہیں کرسکا، البتہ خط وکتابت کے ذریعہ تعلق برقرار رہا ۱۹۷۵ء میں جب میں الٰہ اباد سے لکھنؤ کے امیر الدولہ اسلامیہ کالج منتقل ہوگیا تو بحمد للہ دو بارہ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ حافظ صاحبؒ کا اب یہ معمول سا ہوگیا تھا کہ جب وہ لکھنؤ تشریف لاتے تو یہاں لوگوں سے ملاقات کی فہرست میں اس حقیر کا نام بھی ہوتا۔ وہ اکثر علی الصباح میرے غریب خانے ''بیت النور'' عقب مدح گنج پولس چوکی سیتا پور روڈ تشریف لے آتے اور تھوڑی دیر رک کر نزدیک ہی برادرم حافظ احمد الباری کے دولت خانے ''شبستان سعادت'' متصل شیعہ کالج سیتا پور روڈ چلے جاتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حافظ احمد الباری کے یہاں اگر پہلے پہنچ گئے تو مجھے وہاں بلوالیا کرتے تھے۔ اکثر حافظ صاحب احمد الباری صاحب کے یہاں رات میں رک جاتے تھے۔ ایک بار میں نے شکایتاً عرض کیا کہ حضرت! میرا بھی حق ہے میرے پاس بھی کبھی قیام کیجئے فوراً تیار ہوگئے اور بولے ''اچھا تمہارے ہی پاس رکونگا'' اس طرح نومبر ۲۰۰۷ء کی وہ رات ہمارے حصہ میں آئی۔ اس رات میں نے طالب علمی کے زمانے کی طرح ان کی خوب خدمت کی اور اس کے بدلہ میں ہر ہر لمحہ وہ مجھ کو دعاؤں سے نوازتے رہے۔

اس تاریخی رات کو میں نے موقع غنیمت جان کر ان سے بہت سارے سوالات کر ڈالے اور جوابات نوٹ کرتا رہا۔ دوسرے دن صبح انہیں حسب عادت ''احمد الباری'' کی یاد آئی تو میں نے انہیں شبستان سعادت'' پہنچا دیا۔ اس رات مجھے حافظ صاحبؒ سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

حافظ اقبال صاحبؒ کی پیدائش بقول ان کے ۱۹۱۷ء مطابق ۱۳۳۵ھ میں ہوئی اس لحاظ سے ان کی عمر بوقت انتقال باعتبار سن عیسوی ۹۱ سال اور باعتبار سن ہجری ۹۴ سال ہوئی، ان کے والد کا نام حاجی عبداللہ تھا، آپ شہر گونڈہ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے گاؤں ''کرم ڈیہہ'' کے رہنے والے تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم تو گھر پر ہی حاصل کی لیکن رسم زمانہ کے مطابق بہرائچ کے ایک اسکول میں ۱۹۲۹ء میں داخلہ لیا لیکن وہاں دل نہ لگا اور تھوڑے دنوں کے بعد گونڈہ آگئے اور یہاں قصبہ دھانے پور کے ایک اسکول میں دو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ لیکن عصری تعلیم سے طبعی مناسبت نہ ہونے کے سبب کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ بالآخر اپنے والد صاحب اور خاندان کے دیگر بزرگوں کے مشورے سے ۱۹۳۲ء میں وہ لکھنؤ آگئے اور یہاں مولانا عین القضاۃ کے مشہور ادارے ''مدرسہ عالیہ فرقانیہ'' میں حافظ معصوم علی صاحب کے درجہ حفظ میں داخل ہوگئے۔ اس وقت اتفاق سے قاری عبدالوہابؒ عالمی شہرت کے مالک قاری عبدالمالکؒ کے معین کی حیثیت سے فرقانیہ لکھنؤ میں موجود تھے۔ حافظ اقبال صاحبؒ کو ان سے بڑی تقویت ملی اور حافظ صاحبؒ نے قاری صاحبؒ سے وہاں استفادہ کیا۔ چند ہی دنوں کے بعد گونڈہ شہر کے اہل علم اور با اثر حضرات کی دعوت پر ایک دینی مدرسہ کے قیام اور اس کے اہتمام کے لئے قاری عبدالوہابؒ گونڈہ چلے گئے۔ دو سال ہی گذرے تھے کہ ایک بار پھر حافظ صاحب کو وطن کی یاد نے بے چین کر دیا اور وہ گونڈہ آگئے۔ خوش قسمتی سے یہاں گونڈہ میں قاری عبدالوہابؒ کے دست مبارک سے مدرسہ فرقانیہ کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور یہاں حفظ کا معقول انتظام تھا۔ اس لئے اب انھوں

نے قاری صاحب موصوف کی نگرانی اور سرپرستی میں داخلہ لے کر خود انھیں سے ۱۹۳۴ء میں حفظ قرآن کی تکمیل کر لی۔

حافظ اقبال صاحب محنتی، پابندی وقت کے عادی، دیانتدار اور سب سے بڑی بات بانی مدرسہ قاری عبدالوہابؒ کے معتمد تھے اس لئے فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں بحیثیت استاذ ۱۹۳۴ء میں ان کا تقرر ہو گیا دو سال بعد ۱۹۳۶ء میں بعمر ۱۹ سال قاری عبد الوہاب صاحب کی ہمشیرہ سے حافظ صاحبؒ کی شادی ہو گئی۔ اب اس تعلق کی وجہ سے قاری عبدالوہابؒ کے دست راست بن گئے اور اسی مدرسہ میں رہ کر خدمت خلق اور تدریس قرآن میں مصروف ہو گئے۔

حافظ صاحب ابتدا سے ہی سادگی پسند، تکلفات سے عاری، اصولی اور مذہبی ذہن کے مالک اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی زندہ مثال تھے۔ دروغ گوئی سے انہیں نفرت تھی مدرسہ میں طلباء کو یہ تاکید تھی کہ ''خبردار جھوٹ مت بولنا'' بلکہ طالب علم سچ بول کر اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا تو اس کی سزا یا تو معاف ہو جاتی یا اس میں تخفیف ہو جاتی۔ حافظ صاحب نماز باجماعت کے نہ صرف پابند بلکہ تکبیر تحریمہ بھی ترک نہ ہونے دیتے۔

۱۹۴۹ء میں حافظ صاحبؒ مولانا منظور نعمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ وہ پہلے ہی سے دینی مزاج کے حامل تھے اب اس میں اور زیادتی ہو گئی۔ اوراد وظائف متعین ہو گئے، عام حالات میں تسبیح ان کے ہاتھ میں رہتی تھی اب زبان ہر وقت تسبیح وتحلیل میں ڈوب گئی۔ ۱۹۵۰ء میں جب ان کی عمر ۳۳ سال کی تھی میں نے انہیں تہجد گذار پایا۔ وہ سحر کے وقت ہاسٹل کے تمام طلباء کو جگا کر قرآن یاد کرنے کے لئے بٹھا دیتے اور خود تہجد پڑھنے اور ضربیں لگانے میں مصروف ہو جاتے۔

مجھے طالب علمی کے زمانے کے علاوہ بھی حافظ صاحبؒ کے ساتھ رات میں قیام کا موقع ملا ہے، میں نے انہیں ہمیشہ تہجد گزار پایا ابھی سال گذشتہ نومبر ۲۰۰۷ء میں جب حافظ صاحبؒ کا رات میں قیام میرے غریب خانے پر ہوا، اس وقت شدید سردیاں تھیں، وہ

بے انتہا کمزور ہو چکے تھے عمر کا آخر حصہ تھا، اس وقت بھی انھوں نے تہجد کی نماز ادا کی، معتبر ترین حضرات نے بتلایا کہ حافظ صاحبؒ نے سفر وحضر میں کبھی تہجد کی نماز ترک نہ ہونے دی۔ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں قرآن کی تدریس کا یہ سلسلہ ۱۹۳۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۶ء تک یعنی ۲۲ سال بحمد للہ خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جب شعبۂ حفظ کھلا تو ذمہ داران ندوہ بالخصوص مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا معین اللہؒ، مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا عبدالباریؒ نے متفقہ طور پر اس شعبہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے ندوہ بلا لیا، اللہ کا کرم شامل حال رہا اور حافظ صاحبؒ کی کوششوں کے باعث یہ شعبہ خاطر خواہ ترقی سے ہمکنار رہا۔ اتفاق دیکھئے کہ ندوہ کی انیس سالہ خدمت کے بعد مدرسہ فرقانیہ کو پھر حافظ صاحب کی کمی اور ضرورت محسوس ہوئی تو حافظ صاحب دوبارہ ۱۹۷۵ء میں گونڈہ واپس بلا لئے گئے اور تادم آخر فرقانیہ کی خدمت کرتے رہے مدرسہ کی موجودہ شکل و صورت اور ترقی کا اکثر حصہ حافظ صاحب کی ہی توجہ کا مرہون منت ہے۔

حافظ اقبال صاحبؒ کو قرآن سے جو قلبی تعلق اور لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شدید مصروفیت، بیماری اور علالت کے باوجود درجہ میں ضرور جاتے تھے جب انہیں منع کیا جاتا کہ آپ کو تیز بخار ہے آرام کر لیجئے تو فرماتے ''قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا ہے اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی'' عمر کے آخری حصہ میں وہ بے انتہا کمزور ہو گئے تھے چلنا پھرنا ان کے لئے مشکل امر تھا، زیادہ تکلیف اور نقاہت کے عالم میں وہیل چیئر کا بھی استعمال کر لیتے تھے لیکن درسگا کا ناغہ نہ کرتے۔ خود فرماتے تھے جب میں درجہ میں پہنچ جاتا ہوں تو بڑا سکون ملتا ہے، اور تازہ دم ہو کر نشاط سے قرآن سنتا ہوں'' انہوں نے قرآن کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ قرآن سے تعلق اور شغف کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتقال سے ایک یوم قبل تک سخت بیماری کے باوجود صبح وشام دونوں وقت حسب معمول وہ درسگاہ گئے اور بچوں کا قرآن سنا۔ آقائے نامدار ﷺ کا فرمان کتنا سچ ہے کہ ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے''۔

حافظ صاحبؒ معاملات اور حسابات کے سلسلہ میں بالکل صاف تھے، مدرسہ کے لئے جب بھی انہیں کوئی رقم دیتا تو فوراً رسید پیش کر دیتے۔ اگر مدرسہ کے پتے پر منی آرڈر سے یا دستی رقم بھیجی گئی تو رسید کے ہمراہ شکریہ کا خط بھی ارسال کرتے۔ خود خط کم لکھتے تھے کسی خوش خط طالب علم یا استاد سے جواب لکھواتے لیکن دستخط خود کرتے۔ عام طور پر خط کے آخر میں ایک جملہ ضرور ہوتا ''دعا کیجئے کہ خاتمہ ایمان پر ہو'' اپنے زمانہ طالب علمی میں یہ خدمت تقریباً چار سال تک اس حقیر نے بھی انجام دی ہے۔

دیانت، امانت اور تقویٰ ان کے مزاج میں رچا بسا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں محلّہ میواتیان میں ماسٹر یٰسین صاحب کا گھر طلباء کی رہائشگاہ تھا۔ حافظ صاحبؒ بحیثیت نگراں وہیں رہتے تھے لیکن درجات موجودہ عمارت کے قدیم حصہ میں لگتے تھے۔ ایک مرتبہ بعد نماز عصر حافظ صاحب مدرسہ سے گھر کے لئے نکلے، مجھے ساتھ چلنے کا حکم دیا اور ایک کام بھی سپرد کیا کہ ''میری بکری کے کان پکڑ کر لیتے چلو''۔ میں نے بکری کے کان پکڑے اور چند قدم چلا تھا کہ اس نے سر جھٹک کر کان چھڑا لیا، میں نے دوبارہ دوڑ کر اسے پکڑا اور پھر لے چلا۔ لیکن وہ برابر زور لگاتی رہے۔ راستہ میں ایک جگہ ایک صاحب پلنگ بن رہے تھے۔ باندھ کا کوئی دو فٹ کا ایک ٹکڑا کنارے پڑا تھا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور بکری کے گلے میں باندھ دیا تا کہ ہماری گرفت مظبوط ہو جائے۔ حافظ صاحبؒ نے پلٹ کر دیکھا پوچھا ''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ باندھ کہاں ملا'' میں نے بتایا ''فلاں جگہ سے'' رک گئے اور اپنے ہاتھ سے بکری کے گلے سے باندھ کھولا اور مجھے دے کر کہا ''جاؤ اور وہیں ڈال کر آؤ جہاں سے اٹھایا ہے۔ دوسرے کی چیز بغیر اجازت کے نہیں لیتے۔ اللہ میاں خفا ہوتے ہیں'' اس معمولی واقعہ سے ان کے تقوے پرہیزگاری اور خوف خدا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے بہر حال وہ اللہ والے تھے اور ہم لوگوں کے لئے مثال۔ وہ آفتاب تھے جس کی روشنی سے ایک جہاں منور ہو رہا تھا۔ افسوس وہ آج غروب ہو گیا۔ وہ ایک ہیرا تھے، وہ ایک گنج گرانمایہ تھے، جواب ہزاروں من مٹی کے نیچے دب گئے ہے۔

آہ! حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ

(حضرت والد ماجدؒ کے خلیفہ مجاز و معتمد خاص)

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب
ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
ناظم معہد الامام ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیہ

راقم سطور کا سال پیدائش ۱۹۵۵ء ہے اور ۶۰ء کی گئی باتیں آج بھی یاد ہیں لکھنؤ میں اسی سال تبلیغی اجتماع ہوا تھا، جس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ تشریف لائے تھے، ان کا منوّر چہرہ، اور سیاہ عمامہ بھی اچھی طرح یاد ہے ۶۰ء ہی میں لکھنؤ میں دریائے گومتی میں سیلاب آیا تھا، وہ بھی یاد ہے۔ ہم لوگ لکھنؤ کے تبلیغی مرکز سے ملحق ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے (وہ مکان اب مرکز کی نئی عمارت کے اندر آ گیا ہے) مرکز ہی کے ایک کمرے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی مقیم تھے۔ اور اس طرح وہ مرکز کیا تھا۔ ایک عجیب وغریب جگہ تھی۔ آخر شب میں وہاں خانقاہ رائے پور کا سماں بن جاتا تھا، دن میں دونوں حضرات کے کمرے دار المصنفین بن جاتے تھے، عصر بعد دونوں حضرات کی مشترکہ مجلس میں علمی، اصلاحی، ملی وسیاسی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی، جس میں شہر کے خواص بھی اکثر خاصی تعداد میں ہوتے تھے۔ مغرب بعد تبلیغی مشوروں، بیانوں اور تشکیلوں کا ماحول ہوتا تھا، ملک بلکہ کبھی کبھی بیرون ملک سے بھی اہل علم، اور طالبین کی آمد ہوتی رہتی تھی۔ رمضان المبارک میں تو ایسی بہار ہوتی تھی کہ کیا کہنا! یہ تھا وہ ماحول جس میں اس راقم کی آنکھ کھلی اور اس کا بچپن اور نوجوانی گذری۔ (یعنی ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۳ء تک)

جو چند چہرے شعور کے روز اول سے ہی میری آنکھوں اور دل و دماغ میں بسے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک چہرہ، حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ کا چہرہ تھا، اللہ اللہ! کتنا روشن، کتنا سنجیدہ اور کتنا تر و تازہ چہرہ تھا حضرت حافظ صاحب کا! اس وقت تو اتنا ہی معلوم تھا کہ یہ حافظ جی ہیں، جن کا ہمارے ابّی (حضرت والد ماجدؒ) سے بہت خاص تعلق ہے۔ ہر جمعرات کو وہ ندوے سے مرکز ہفتے واری تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے آتے تھے، انہیں کھانا وغیرہ کھلانے کی خدمت اکثر میرے ہی سپرد ہوتی تھی، اگلے دن صبح اشراق اور ناشتے کے بعد وہ واپس ہوتے تھے۔ ان کے گھر کی مستورات بھی کبھی کبھی ہمارے گھر آتی تھیں، میں دیکھتا تھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہماری امّی سے جنہیں وہ ''آپا'' کہتی تھیں اس انداز سے پیش آتی ہیں جیسے وہ ان کی بھی ''امّی'' ہی ہیں اور وہ بھی ان سے بالکل بیٹیوں جیسا برتاؤ کرتی ہیں .....دھیرے دھیرے میں بھی ان کا چہیتا چھوٹا بھائی بن گیا۔ اور پھر یہ تعلق واقعی ایسا پائدار اور مستحکم ہوا کہ فی زمانہ شاید کم ہی حقیقی بھائی بہنوں میں بھی وہ محبت اور احترام کا تعلق ہوتا ہوگا جو آج بھی الحمدللہ اس عاجز کو ان دونوں کی طرف سے نصیب ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ ۱۹۶۴ء میں ندوے میں میرا داخلہ ہوا، اکثر ایسا ہوتا کہ انٹرول (وقفہ) کے درمیان میں ان کے گھر چلا جاتا، وہاں مجھے دودھ اور انڈا ملتا، اور میں تازہ دم ہوکر پھر اپنے درجے میں چلا جاتا۔

رمضان مبارک کے آخری عشرے میں حضرت والد ماجدؒ کی صحبت اور استفادے کی نیت سے معتکفین کی جو جماعت مرکز کی مسجد میں ہر سال اعتکاف کرتی تھی، اس میں شاید ہر سال ہی حضرت حافظ صاحب بھی ہوتے تھے اور اس طرح اس راقم کو اپنی چھوٹی سی بساط کے مطابق حضرت حافظ صاحب کو بھی کچھ قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، حافظ صاحب جس طرح جی لگا کر نماز پڑھتے تھے اس کو دیکھ کر میرے جیسا کم سن بچہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، یہ تو آگے چل کر پتہ چلا کہ نماز سے اور قرآن مجید سے ان کی روح کو جیسا عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا وہ اس دور میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہوگا۔

سفر ہو یا حضر، سردی ہو یا گرمی، تھکے ہوئے ہوں یا تر و تازہ، نماز کے شوق اور اہتمام میں کوئی فرق دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ بہت دل لگا کر اور بڑے شوق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ایک نماز کے بعد اگلی نماز کے انتظار والی قلبی کیفیت کئی بار ان کے پاس بیٹھنے والے کو محسوس ہو جاتی تھی، اور نماز سے فارغ ہو کر ان کے چہرے بشرے پر ایک عجیب سا اطمینان اور بشاشت بھی صاف نظر آتی تھی، ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے (غالباً ماہ مئی ۲۰۰۸ء میں) گونڈہ کے مضافات میں ایک مدرسہ کے جلسے میں مجھے جانا تھا لکھنؤ سے روانہ ہو کر میں پہلے حضرت حافظ صاحب کی زیارت کے ارادے سے مدرسہ فرقانیہ پہونچا، اس بندۂ عاصی کو دیکھتے ہی حضرت حافظ صاحب کے ضعیف و ناتواں بدن میں خوشی سے ایک برق لہر سی دوڑ گئی، یہاں تک کہ اسی خوشی کی کیفیت میں اچانک ارادہ ظاہر کر دیا کہ ہم بھی ساتھ چلیں گے، میں نے بھی کہا اور ان کے گھر والوں نے بھی کہ آپ کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ آپ یہ زحمت نہ اٹھائیں، مگر اللہ ری محبت کہ کسی کی نہ سنی، اور ساتھ میں چل دیئے، رات ۱۲ر بجے کے قریب جلسہ گاہ سے واپسی ہوئی۔ وہاں سے تقریباً ایک گھنٹہ کی مسافت پر ان کے بڑے داماد حاجی عبدالقیوم بھائی کا مکان تھا، وہاں پہونچے اتنی رات گئے پورا گھر چشم براہ تھا کھانا کھایا اور آرام کیا، میں تو فجر کی اذان سے کچھ ہی پہلے اٹھ پایا مگر ۹۵ سالہ حضرت حافظ صاحب شاید صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ آرام کے بعد تہجد کے لئے اپنے دائمی معمول کے مطابق اٹھے اور نماز سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن مجید میں لگ گئے۔

قرآن مجید سے جس درجہ کا عشق اور اسے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں اور اس کے درس کے حلقے میں شرکت سے ان کی روح کو جو لطف آتا تھا۔ اسے لفظوں میں بیان کرنا کم از کم میرے لئے تو ممکن نہیں ہے۔ حضرت حافظ صاحب نے پوری زندگی جیسے عدیم المثال ذوق و شوق اور جس مستقل مزاجی اور یکسوئی و انہماک کے ساتھ قرآن کی صحبت اور خدمت میں گذاری ہے وہ ان کی ایک پہچان بن گئی ہے۔ اور قرآن عظیم الشان جس کی پہچان بن جائے، اس کی بلندی مقامی اور خوش نصیبی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔؟؟؟

حضرت حافظ صاحب مشرقی یوپی کے ضلع گونڈہ کے ایک دیہات (کرم ڈیہہ) میں ایک کسان کے گھرانے میں بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے وسط میں (غالباً ۱۹۱۷ء میں) پیدا ہوئے، پہلے اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر اللہ جانے کس کے مشورہ سے ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ کے حفظ و تجوید قرآن کے مشہور ادارے مدرسہ فرقانیہ آئے، اور استاذ القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ کے درجہ میں داخل ہو کر حفظ قرآن میں لگ گئے اس زمانے میں گونڈہ ہی کے ایک بزرگ جو حضرت حافظ صاحب کے اقرباء میں سے تھے یعنی قاری عبدالوہاب صاحب وہ بھی اسی مدرسہ میں حفظ کے استاذ تھے۔ان سے بھی پڑھنے کا حافظ صاحب کو موقع ملا، اگلے سال ۱۹۳۳ء میں قاری عبدالوہاب صاحب گونڈہ کے بعض صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اصرار پر مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں خدمت سے معذرت کر کے اپنے وطن گونڈہ واپس آ گئے اور یہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی اس کا نام بھی انہوں نے مدرسہ فرقانیہ ہی تجویز کیا۔تھوڑے ہی دن بعد حضرت قاری عبدالوہاب صاحبؒ نے حافظ محمد اقبال صاحب کو بھی اپنے پاس گونڈہ ہی بلا لیا، اور وہیں ان ہی کے زیر نگرانی ان کا حفظ مکمل ہوا اور پھر وہیں پہلے ناظرہ اور پھر حفظ کی خدمت میں لگ گئے۔اور پھر یہ خدمت انہیں ایسی راس آئی اور ان کے لئے ایسی قبولیت لکھ دی گئی کہ زندگی کے بقیہ ۷۲۔۷۳ سال صرف اور صرف اسی میں کھپا دئے، شروع کے تقریباً بیس سال گونڈہ کے اسی مدرسہ فرقانیہ میں، پھر درمیان میں تقریباً بیس سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور پھر آخر کے قریباً ۳۳ سال دوبارہ گونڈہ کے مدرسہ فرقانیہ میں بیٹھ کر، اس شان سے قرآن کی خدمت میں لگے رہے کہ کسی اور طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔روز صبح سویرے سے لے کر رات تک بس ایک ہی کام تھا درجے میں بیٹھ کر طلبہ کا قرآن سننا۔بیک وقت کئی طلبہ کا قرآن سنتے تھے اور ہر ایک کو اس کی غلطی پر ٹوکتے رہتے تھے، غیر درسی اوقات میں مشغولیت یا تو مدرسہ کے انتظامی معاملات میں رہتی تھی یا کوئی دینی اصلاحی کتاب پڑھتے یا سنتے رہتے تھے آنے جانے والوں اور طلبہ و اساتذہ سے شفقت بھرے سیدھے سادے انداز میں اصلاحی باتیں کرتے رہتے تھے حضرت والد

ماجدؒ کی کتابوں، خصوصاً اسلام کیا ہے؟، قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ معارف الحدیث، نماز کی حقیقت اور مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی بار بار پڑھتے تھے اور ان کی مطالعہ کی لوگوں کو خصوصاً اہل علم حضرات کو ترغیب دیتے رہتے تھے۔

مدرسہ کی ضروریات کے لئے اہل خیر کو توجہ دلانے کی غرض سے یا دینی اصلاحی مقصد سے چھوٹے بڑے سفر کثرت سے کرتے تھے مگر حتی الامکان ترتیب ایسی بناتے تھے کہ اپنے اصل کام پڑھانے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو، خواہ اس کے لئے کتنی ہی مشقت انہیں اٹھانی پڑے۔سیکڑوں لوگوں کو اس کا بار بار تجربہ ہوتا تھا کہ حافظ صاحب تشریف لائے، اور چند لمحے ہی بیٹھے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس گونڈہ کے لئے روانہ ہونے لگے، میزبان ہزار خوشامد کرتا کہ تھوڑی دیر اور رک جائیں یہ کہہ کر معذرت کرتے کہ پھر درجہ پہونچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔

ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ آخری دم تک قرآن کی خدمت کے اس مبارک کام میں مشغول رہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی یہ خواہش پوری کر دی۔نماز اور قرآن کے ساتھ ان کے دل لگاؤ اور والہانہ تعلق کو دیکھ کر ان پر ٹوٹ کر رشک آتا تھا اور شاعر اسلام کا یہ شعر ان کے بالکل حسب حال نظر آتا تھا کہ

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کر خزاں لا الہ الا اللہ

عبادت و تلاوت اور خدمت قرآن کے اس ذوق و شوق کے ساتھ حضرت حافظ صاحب صلہ رحمی، مہمان نوازی، اہل حاجت کی خبر گیری، مریضوں کی عیادت اہل تعلق کی دلجوئی وغیرہ اخلاقیات کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے۔اساتذہ طلبہ دور قریب کے اعزہ یا دینی و اصلاحی تعلق رکھنے والے لوگوں میں سے جس کسی کی کوئی پریشانی یا ضرورت سامنے آتی اس کے لئے متفکر اور بے چین ہو جاتے، دعاؤں کا بہت اہتمام کرتے اور ضرورت پڑتی تو اپنے مخلص اہل تعلق اور اہل خیر کو توجہ دلانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ایک لمبی

فہرست ہے ان بیواؤں اور پریشان حالوں کی جن کی مستقل خدمت ان کے ذریعہ کی جاتی تھی۔اس سلسلے میں ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے (جوان کی چھوٹی صاحبزادی میمونہ باجی کے ذریعہ معلوم ہوئی) کہ بعض حاجتمند عورتیں جب ان کے یہاں آتی تھیں تو وہ کبھی ان کو کھانا کھلوائے بغیر جانے نہیں دیتے تھے اگر کھانا گھر میں موجود نہ ہوتا تو ان کے لئے کھانا پکواتے اور کھلا کر ہی جانے دیتے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے ان کہ سلیم طبیعت کو اپنی اصلاح وتربیت کے لئے اللہ والوں سے تعلق اور مستقل طور پر ان کی نگرانی میں رہنے کے ''ضروری'' ہونے کا احساس ہو گیا تھا، چنانچہ نوجوانی ہی کے دنوں میں خط وکتابت کے ذریعہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور پھر بیعت بھی ہوئے۔ان کی وفات کے بعد مشرقی یوپی کے ایک صاحب دل بزرگ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر ان کے بعد اپنے آپ کو حضرت والد ماجدؒ کے حوالے کر دیا اور پھر آخر دم تک اس تعلق کو اس طرح نبھایا اور اس قدر استفادہ کیا کہ محبت اور اتباع کی ایک مثال قائم کر گئے۔ یہاں تک کہ اپنے شیخ ومرشد کا جو اعتماد انہیں نصیب ہوا وہ شاید صرف انہی کا حصہ تھا۔ہم لوگ دیکھتے تھے کہ مختلف اہم معاملات میں حضرت والد ماجدؒ ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔حضرت والد ماجدؒ کی نگاہ میں ان کے مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت حافظ صاحب کا تذکرہ چھڑ گیا تو رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو؟ تو عرض کروں گا کہ حافظ اقبال صاحب کو لایا ہوں۔

حضرت والد ماجدؒ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی (خلیفہ مجاز حضرت اقدس تھانویؒ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ سے بھی محبت وعقیدت کا تعلق انہیں نصیب رہا اور ان سب بزرگوں کی بھی خصوصی توجہ اور اعتماد انہیں حاصل رہا۔

اس مضمون کو لکھنے بیٹھا ہی تھا کہ ایک حدیث نبوی کی طرف ذہن منتقل ہوا، جسے

حضرت والد ماجدؒ نے مسند احمد، سنن، ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے ''معارف الحدیث'' کی جلد دوم (کتاب الرقاق وکتاب الاخلاق) میں نقل فرمایا ہے۔اس حدیث میں ایک قابل رشک بندے کی جو صفات رحمت دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، اس عاجز کا یہ احساس ہے کہ حضرت حافظ صاحب کو توفیق الٰہی نے ان میں سے وافر حصہ عطا فرما دیا تھا۔حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ''

میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز وسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو نماز میں اس کا بڑا حصہ ہوا اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفاء کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر وقانع ہو .....پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہار تعجب یا اظہار حیرت کے لیے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آ گئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے''

حضرت حافظ محمد اقبال صاحبؒ کے حالات زندگی سے جو تھوڑی بہت واقفیت اس عاجز کو ہے اس کی روشنی میں گمان غالب بلکہ یقین ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اپنے قریبی دوستوں میں سے بھی جس کو ''سب سے زیادہ قابل رشک'' کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے اور اس کے جو اوصاف ذکر فرمائے ہیں ہمارے حافظ صاحب کو فیاض ازل نے بڑی فیاضی کے ساتھ وہ اوصاف عطا فرمائے تھے، اللہ اللہ کیسی قابل رشک تھی کہ حضرت حافظ صاحب کی زندگی! مبارک ہو! ہزار مبارک ہو!!!

حضرت حافظ صاحب کی دلی تمنا تھی کہ آخر دم تک قرآن کی خدمت میں، مشغولی

نصیب رہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تمنا پوری کر کے دکھائی، ۲۵؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ (۲۹؍جولائی ۲۰۰۸ء کی دوپہر تک کافی سخت بیماری اور تکلیف کے باوجود خدمت قرآن ہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب بیٹھا نہ گیا تو درجہ ہی میں لیٹ گئے اور طلبہ کا قرآن سنتے رہے۔بعض دیکھنے والوں نے بھی یہ بتایا کہ اس دن قرآن سنتے جاتے تھے طلبہ عزیز کو دیکھتے جاتے تھے اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے، دو پہر کے بعد طبیعت زیادہ بگڑی، مغرب بعد ڈاکٹروں اور گھر والوں کے اصرار پر اسپتال لے جایا گیا، اگلے دن ۲۶؍رجب (۳۰؍جولائی) کی دوپہر تقریباً ۱ بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے بعد نماز عشاء حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی ہزاروں کی تعداد نماز جنازہ میں شریک تھی، علماء حفاظ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔۲۷؍رجب کی بابرکت رات میں تقریباً ۱۲ بجے کے قریب جیسے ہی تدفین کا عمل مکمل ہوا آسمان سے ہلکی ہلکی پھوار برسنی شروع ہوگئی جس سے نہ کسی کے کپڑے تر ہو رہے تھے نہ زمین گیلی ہو رہی تھی، بہت سے لوگوں کی زبان پر اس وقت بے ساختہ یہ شعر جاری ہوگیا ؎

آسماں تری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

الوداع حافظ صاحب الوداع! اللہ آپ کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے اور ہم پسماندگان کو توفیق دے کہ وہ اسی راہ پہ چلیں جس پر آپ اور آپ کے اکابر و اسلاف چل کر اپنی منزل تک صحیح سلامت پہنچ گئے آمین ثم آمین۔(بحوالہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

ایک قابل رشک زندگی

مولانا محمد عظیم خاں ندوی صاحب
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موت ایک حقیقت ہے جو یقیناً ہر ایک کو آتی ہے اور آئے گی، ایک وقت ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں آتا ہے پلتا ہے، بڑھتا ہے اور جوان ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے اپنی طے شدہ زندگی کی مدت پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے لیکن کامیاب انسان وہ ہے جو یہاں اپنا نقش چھوڑ جاتا ہے۔اپنے اوقات کی قدر کرتا ہے پورے احتساب کے ساتھ انہیں آخرت میں کام آنے والے امور میں صرف کرتا ہے۔اللہ کی یاد میں شب و روز کے لمحات گزارتا ہے اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہوا رب کائنات کے حضور پیش ہو جاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے "کل نفس ذائقة الموت و انما توفون اجورکم یوم القیامة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیاة الدنیاالا متاع الغرور".

حافظ محمد اقبال صاحبؒ جو ابھی اس دنیا سے رخصت ہوئے اور اچھی عمر پائی، وہ اللہ کے مخلص، برگزیدہ اور پابند اوقات بزرگوں میں تھے جنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کی امانت سمجھا، خوشی، غمی، صحت و بیماری، سفر و حضر اور جوانی و بڑھاپا الغرض زندگی کے ہر مرحلہ میں معمولات کے پابند رہے، مدرسہ کے ہر کام کو اپنا نجی کام سمجھا اور بہر صورت اسے انجام دیا۔ایک مدت تک ندوہ میں شعبۂ تحفیظ القرآن کی ذمہ داری سنبھالی، طلوع فجر سے رات کے سونے تک طلبہ کو جگانا، پڑھانا اور وقت پر سلانا ان کا معمول تھا، دنیا کے جھمیلوں سے

رخ موڑے ہوئے اور اپنی مفوضہ ذمہ داری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے، اقوال الناس سے بے پرواہ اپنے کام میں مشغول، یہ تھے حافظ محمد اقبال صاحب مرحوم جو آج ہمارے درمیان نہیں رہے، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

ایک مرتبہ حافظ صاحب مرحوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (علی میاں صاحبؒ) سے ملاقات کرنے تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لے گئے غالباً چاشت کے وقت رخصت ہونے اجازت مانگی حضرتؒ نے فرمایا شام کو چلے جایئے گا اب تعلیم کا وقت گزر چکا ہے، عرض کیا حضرت دوپہر میں بچوں کو سلانا ہے، یہ تھا ذمہ داری کا احساس جس کا آج فقدان ہے۔

۱۹۱۱ء میں گونڈہ شہر کے قریب ایک گاؤں کرم ڈیہہ میں پیدا ہوئے، والد کا نام عبداللہ تھا، اپنے وطن میں مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کر کے ۱۹۳۳ء میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ آئے اور قاری عبدالمالک صاحب کے درجہ میں داخل ہوئے حافظ صاحب مرحوم کے بہت قریبی عزیز قاری عبدالوہاب صاحبؒ اس درجہ کے معاون مدرس تھے اس طرح انہوں نے قاری عبدالوہاب صاحبؒ سے بھی کسب فیض کیا اور دونوں حضرات سے حفظ کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۳۴ء میں جب قاری عبدالوہاب صاحبؒ گونڈہ عمائدین شہر کے اصرار پر چلے آئے اور یہاں انہوں نے مسجد منیہاران چوک میں مدرسہ فرقانیہ کی داغ بیل ڈالی تو ایک ماہ گزرنے پر انہوں نے اپنے بہنوئی حافظ صاحب مرحوم کو اپنے پاس بلالیا، ۱۹۳۶ء میں جب حافظ صاحب مرحوم نے قاری صاحب مرحوم سے حفظ قرآن مکمل کیا تو انہوں نے اسی سال حافظ صاحب مرحوم کو بحیثیت استاذ اپنے مدرسہ میں رکھ لیا ابتداءً انہیں ناظرہ قرآن پاک کا درجہ دیا گیا جس کو انہوں نے بڑی محنت سے پڑھایا اور ان کے درجہ کا نتیجہ سب سے اچھا رہا اور دوسرے سال بھی ان کی محنت و کارکردگی ممتاز و نمایاں رہی تو اراکین مدرسہ کے اصرار پر انہیں درجہ حفظ دیدیا گیا، جناب کی محنت و لگن سے درجہ حفظ کا معیار بہت اونچا ہو گیا، دور دور تک مدرسہ کی شہرت ہوئی اور طلبہ آئے۔ قاری عبدالوہاب صاحبؒ کی

زندگی تک حافظ صاحب کی دلچسپی اور حوصلہ روز افزوں ترقی پر رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد اس میں فرق آ گیا جو انہیں راس نہ آیا اور قاری صدیق احمد صاحبؒ سے ملنے کی غرض سے باندہ کا سفر کیا وہاں جاتے ہوئے لکھنؤ میں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ کے پاس تبلیغی مرکز کی مسجد میں قیام کیا اور اپنے شیخ سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا انہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ان کی سفارش کر دی اور ۱۹۵۶ء میں انہیں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رکھ دیا گیا اور شعبۂ حفظ قائم کر کے اس کی ذمہ داری انہیں دیدی گئی جب تک یہاں رہے پورے اخلاص سے کام کیا درجہ کے ہر کام کو اپنا نجی کام سمجھا اور اس شعبہ کو بام عروج تک پہنچایا۔

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی سے بیعت واردات کا تعلق رکھتے ہوئے انہوں نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بڑی گہری عقیدت اور ارادتمندانہ تعلق قائم رکھا ان بزرگوں کا حترام ان کے نقش قدم کی پیروی ان کا سرمایۂ حیات تھا، ان بزرگان دین کو بھی ان سے گہرا تعلق تھا اور یہ ان کے معتمد علیہ تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حافظ صاحب مرحوم کی شدید ضرورت محسوس کی گئی تو حضرت مولاناؒ سے اجازت لے کر دوبارہ وہاں گئے اور مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر ڈال دی گئی ان کے وہاں پہونچتے ہی مدرسہ کا نظام تعلیم و تربیت مستحکم ہو گیا، انتظامی امور درست ہو گئے اور تعمیرات کے میدان میں مدرسہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ کی خستہ حالت و جرجر عمارتیں دومنزلہ عالیشان بلڈنگ میں تبدیل ہو گئیں مدرسہ کے قریب ایک وسیع قطعہ آراضی اس کے حدود میں شامل کی گئی اسی طرح ایک کشادہ و عریض اور شاندار جامع مسجد نے پورے شہر میں مدرسہ کا وقار بحال کیا۔

مدرسہ میں کم و بیش ۳۳ سال مہتمم رہے، طلبہ ہوں یا اساتذہ ہر ایک سے ہمدردی و خیر خواہی اور ان کی خبر گیری، عام اساتذہ کی طرح درجہ میں پابندی سے حاضری بلکہ

دوسروں کے لئے نمونہ اپنے درجہ کے بچوں کا سبق وآموختہ سنتے ہوئے اہتمام کے جملہ امور کی انجام دہی، دوران تعطیل قرب وجوار اور دور دراز کے علاقوں میں دعوتی ودینی اسفار مالیات کی فراہمی کے لئے دینی دردرکھنے والے اہل خیر حضرات سے رابطے قائم کرنا اورانہیں شکریہ کے خطوط لکھوانا اور ملک وبیرون محض مدرسہ کے لئے سفر کرنا، یہ تھے حافظ صاحبؒ کے مشاغل جن میں وہ دن رات لگے رہتے۔

میں ۱۹۷۱ء کے اواخر میں ندوہ آیا چہارم عربی میں داخلہ ہوا، حافظ صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی اور ہوتی رہی جب بھی ملتے کوئی نصیحت کی بات کہتے قاری محمد اقبال صاحب عرف قاری پُتّن صاحب جوان کی سرپرستی میں تھے اور مدرسہ میں شعبہ حفظ کے استاذ ہیں میرے ہم زلف ہیں ان کے یہاں جب جانا ہوتا حافظ صاحب سے ضرور ملاقات کرتا بڑی شفقت ومحبت سے ملتے اور زندگی میں کام آنے والی بڑی مفید باتیں بتاتے۔

عمر تقریباً ستانوے سال پائی بڑھاپے کی پوری مدت جوانوں کی طرح بلکہ ان سے بہتر گزاری، آخری سانس تک قرآن کی خدمت کرتے رہے اور مدرسہ کی ترقی کے لیے ساعی وکوشاں رہے ان کے داماد مولانا عبدالحفیظ صاحب نے بتایا کہ حافظ صاحب مرحوم اپنی وفات سے ایک دن پہلے تک مدرسہ آتے رہے، انہیں تنفس کی شکایت پہلے سے تھی، اپنی بیماری، کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود اپنے معمولات اور مدرسہ کے کام بڑی تندہی اور جانفشانی سے انجام دے رہے تھے کہ ۲۸ر جولائی بروز دوشنبہ سہ پہر ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی کھانے کے بعد تھوڑی قے ہوئی جس میں کھانے کے ساتھ کچھ خون آگیا فوراً ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں اچھے ہوجائیں گے دوا دیا جس سے قدرے آرام ہوا لیکن بے چینی وتکلیف برابر رہی جب خدمت گزار طلبہ انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو انہیں آرام ملتا اور سکون حاصل ہوتا۔ ۲۹ر جولائی اور سہ شنبہ کی صبح درجہ میں آئے بچوں کا سبق سننا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد لیٹ گئے، اضمحلال و کمزوری بڑھتی رہی پھر بھی ہمت کرکے نماز وقت پر پڑھتے رہے خدام کے اصرار کے

باوجود اسپتال جانے سے کتراتے رہے نماز مغرب مدرسہ کے چبوترے پر ادا کی اس کے بعد مدرسہ کے اساتذہ انہیں باصرار نرسنگ ہوم لے گئے جہاں اہتمام سے ان کا علاج شروع ہوا ضرورت پڑنے پر مصنوعی آکسیجن انہیں دی گئی کوششیں ہوتی رہیں عقیدت مند احباب اعزہ واقربا طلبہ واساتذہ سبھی انہیں راحت وآرام پہونچانے کی فکر میں ڈوبے، بھاگ دوڑ اور سعی کرتے رہے لیکن وقت پورا ہوچکا تھا تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ وقت آخر قریب آتا گیا اللہ کا بندہ اللہ کی یاد میں ڈوبتا رہا اور ڈوبتا گیا سرہانے وآس پاس قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہی کہ اسی ماحول میں حافظ صاحب مرحوم ۳۰ر جولائی ۲۰۰۸ء سہ شنبہ بوقت ظہر ایک اور سوا ایک بجے کے درمیان اپنے رب سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن عشاء کے بعد نماز جنازہ ہوئی جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے نماز جنازہ پڑھائی، گونڈہ شہر واطراف شہر اور قریبی اضلاع کے عقیدت مند جو پہنچ سکے پہنچے ندوہ سے پوری ایک بس گئی اور بے شمار لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے مدرسہ سے قریب محلّہ میواتیان کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(تعمیر حیات لکھنؤ)

ایک حکیم مدبر دردمند مصلح کی رحلت

ڈاکٹر محمد سلمان خان صاحب ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عرب کلچر ممتاز پی. جی. کالج لکھنؤ

یہ خبر نہ صرف اہالیان گونڈہ ومشرقی یوپی بلکہ پورے ملک پر بجلی بن کر گری ایک بلند مرتبت مصلح ومربی، قوم وملت کے ہمدرد وغمگسار حافظ محمد اقبال مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ ۳۰/جولائی ۲۰۰۸ء بوقت ایک بجے دن ۹۶ سال کی عمر گذار کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ محمد اقبال ضلع گونڈہ کے ایک مضافاتی گاؤں کرم ڈیہہ (بگی روڈ) میں پیدا ہوئے آپ کے والد ایک معمولی کسان تھے، ابتدائی تعلیم وتربیت علاقہ ہی میں ہوئی تھوڑی ہی دنوں میں آپ کا تعلق مصلح وقت قاری عبدالوہاب سے ہوگیا۔ جو علم وعمل کے پیکر تھے ذکراللہ آپ کی روح تھی۔ اخلاص وللّٰہیت آپ کی شان امتیازی تھی آپ صبر وعزیمت کے پہاڑ تھے۔ چنانچہ حافظ محمد اقبال نے آپ ہی کی نگرانی میں اپنی تعلیم شروع کی۔ یہ آپ ہی کی نظر تھی کہ حافظ اقبال کو اپنے سے جدا ہونے نہ دیا اور علم وعمل اخلاص وللّٰہیت جیسے بلند پایہ صفات کا نہ صرف حامل بلکہ داعی بنا دیا اور آپ کو علوم قرآن کریم کی خدمت کا ایسا محور دیا جس پر چل کر حفاظ کلام پاک کی پوری ایک نسل تیار کردی جو نہ صرف ہندوستان بلکہ برصغیر ایشیا افریقہ اور امریکہ تک پر محیط ہے۔ حافظ اقبال نے اپنے خاندان کو ان جاہلانہ رسومات وبدعات سے آزاد کرایا جو دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کی نتیجہ میں ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی تھیں اللہ کا فضل ہے کہ حافظ اقبال کی دینی حمیت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ

بدعات مشرقی یوپی کے گاؤں گاؤں اور محلّہ محلّہ سے ختم ہوتی چلی گئی۔

جیسا کہ اوپر کی تحریر سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کے شاگرد اور کسب فیض حاصل کرنے والے حضرات لاتعداد ہیں چند نمایاں شاگرد ایسے ہیں جنہوں نے مختلف اداروں سے وابستہ ہوکر آپ کی تحریک خدمت قرآن کو آگے بڑھایا ان میں بعض حضرات بین الاقوامی شہرت کے حامل ہوئے۔ مثلاً مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی اور مولانا سلمان الحسینی آپ دونوں ہی کا میدان علوم قرآن ودعوت دین ہے بیرون ہند سے آپ کی نمایاں شاگردوں میں حافظ ابرہیم پٹیل (افریقہ) حافظ عزیز ندوی (دبئی) حافظ عبداللہ (مکہ مکرمہ) حافظ عرفان (کینیا) قرآن کریم سے وابستہ ہوکر مرکزی اسلامی دانش گاہوں میں آپ کے تلامذہ میں بالخصوص مولانا عبدالتواب مرحوم مولانا عبدالرب، مولانا عبدالحفیظ، حافظ عبدالمنان، حافظ عبدالحلیم، حافظ محمد خلیل، وغیرہ جیسے ہزاروں تلامذہ اساتین علم وفن شمار کئے جاتے ہیں۔ حافظ محمد اقبال زندگی میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا انہماک اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ سفر وحضر میں کبھی بھی تہجد کی نماز تک قضا نہ ہوتی تکبیر اولی کا اہتمام اور لوگوں کو اس کی تلقین یاددہانی کا اہتمام حد درجہ تھا۔ آپ اس معمول کو کبھی بھی نہ توڑتے اور بڑے ہی پابندی سے اس کا اہتمام فرماتے۔ ہندوستان کی متعدد شہروں میں آپ کے رفیق سفر مولانا ابوبکر کا بیان ہے کہ کبھی ان کی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی اور نہ ہی کوئی نماز بلا جماعت آپ پڑھتے بلکہ تکبیر اولیٰ کا بھی حد درجہ اہتمام فرماتے اور دوران سفر تلاوت کلام اللہ کے معمولات میں کوئی فرق نہ پڑتا۔

حافظ محمد اقبال کا مقصد حیات دین الٰہی کی اشاعت اور توحید وسنت کی حمایت وحفاظت تھی آپ کرب وبے چینی کے عالم میں پوری ملت کے لئے خدا کی حقیقی پرستاری کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ ہمیشہ اپنے پیر ومرشد مولانا منظور نعمانی سے مشورہ کرتے حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر کے ہمہ جہت خدمات انجام دینے والے بزرگان دین کی فہرست میں حضرت مولانا منظور نعمانی مرحوم اور حضرت مولانا علی میاں کا نام سرفہرست آیا ہے۔ آپ حضرات نے اسلام وجاہلیت کے مابین جاری معرکوں کی نئی سمتوں نئی حیثیت

اور نئے روپوں کا بغور مشاہدہ کیا۔ انگریزی سامراج کے ہاتھوں ہندو مسلم دشمنی کا کاشت کردہ بیج کو تناور خت اور برگ و بار لاتا ہوا دیکھا۔ ملک کی آزادی پھر اس کی تقسیم خون مسلم کی ارزانی دیکھی نبوت محمدی پر قادیانیت کی یلغار دیکھی۔ لہٰذا اسے صلاحیت وذہانت کی نگاہ سے دیکھا۔ ایمان ویقین سے اس کا تجزیہ کیا اور پھر زندگی بھر سرگرم عمل رہنے کے لئے کمر کس لی۔ چنانچہ حافظ محمد اقبال نے انہیں دونوں حضرات سے مسلسل رابطہ رکھتے ہوئے دین حنیف کی ترجمانی اور ملت اسلامیہ کے صحیح خطوط پر تربیت کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔

ان سطور میں حافظ اقبال کی زندگی کے ہلکے نقوش پر ایک نظر پڑتی ہے۔ چونکہ کاتب سطور کا نسبی تعلق حافظ اقبال سے ہے اور آپ کے مفید اور قیمتی مشوروں سے زندگی کے نقوش طے کرنے میں ایک حد تک مدد بھی لی ہے تعلیم کے سلسلے میں نانا صاحب کا ایک اہم ہی اصول تھا کہ تعلیم اعلیٰ حاصل کی جائے اور انہماک ویکسوئی پیدا کی جائے، نیز وقت کی قدر کی جائے منظّم اصول پر زندگی کو لگا دیا جائے والد ماجد جن کی شفقت ومحبت کے سایہ میں رہ کر کاتب سطور نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے کسب فیض کیا اور پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ تک کی تعلیم مکمل کی۔ اس دوران نانا صاحب سے ہمیشہ مفید اور علمی مشورہ لیتا رہا۔ نانا صاحب کو ہمیشہ اس کی فکر دامن گیر رہتی کہ ملک کے طول وعرض میں مساجد و مکاتب کا جال بچھا دیا جائے اور خدمت قرآن کریم کا یہ محور انہیں مساجد ومکاتب سے فروغ پائے۔ اب کے کلام اللہ شریف نے انہماک اور حد درجہ شغف کی مثال صرف اسی بات سے سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ ہمیشہ قرآن مجید کے حلقہ درس میں اسی نیت سے جاتے کہ میری روح پرواز ہو تو قرآن کی تلاوت اور ذکر کے ساتھ اور اللہ کا ذکر کرنا ایسا ہوا کہ آپ ۲۹ر جولائی بعد نماز ظہر درجہ میں حاضر ہوئے۔ چند بچوں کے اسباق سنے وہیں مرض شدت پکڑ گیا۔ آپ کو قریبی نرسنگ ہوم لے جایا گیا جہاں ۳۰ر جولائی ۲۰۰۸ء بوقت ایک بجے دن دار فانی سے کوچ کیا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

چند تاثرات

مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب قاسمی
استاذ حدیث مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

ولادت وتعلیم

حافظ صاحب کی پیدائش موضع کرم ڈیہہ میں ہوئی جو شہر گونڈہ سے شمال میں تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، تاریخ پیدائش بسیار کوششوں کے باوجود نہیں مل سکی، البتہ ان کی زندگی اور خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی پیدائش بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے وسط میں ہوئی۔

حافظ صاحب نے ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ میں حاصل کی، مڈل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حفظ قرآن کریم کے لیے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا قاری عبدالوہاب صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا، حضرت قاری صاحب ایک بہترین استاذ، مربی، خلوص ووفا کے پیکر قانع وخوددار، ہمدرد، خیرخواہ اور تجوید قرآن کے داعی تھے، استاذ کا فطری اثر شاگرد پر پڑا اور وہ خود ان اوصاف جمیلہ کو لے کر اٹھے، حافظ صاحب کی شخصیت سازی ظاہری و باطنی صلاح، صلاحیت کو نکھارنے، پروان چڑھانے، ان کے اندر اسلامی حمیت ودینی غیرت پیدا کرنے اور ان کو قرآن عظیم کا گرویدہ بنانے میں حضرت قاری صاحبؒ کا نمایاں کردار رہا ہے۔

حافظ صاحبؒ نے قرآن شریف کا ایک معتد بہ حصہ لکھنؤ میں حفظ کرلیا تھا، پھر جب ۱۹۳۴ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ

حافظ صاحب بھی گونڈہ آ گئے اور یہیں حفظ کی تکمیل کی۔

درس وتدریس

حافظ صاحبؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ فرقانیہ گونڈہ سے ہوا، جب حافظ صاحبؒ نے قرآن شریف کا حفظ مکمل کرلیا تو انہیں پہلے ناظرہ پھر شعبۂ حفظ میں استاذ منتخب کرلیا گیا، یہ غالباً ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء کی بات ہے۔ ۱۹۵۵ء تک یہیں رہ کر مسلسل تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، ۱۹۵۶ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی دعوت پر دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے، جہاں شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم بنیاد رکھی، اور اس کے پہلے استاذ منتخب ہوئے، ۱۹۷۴ء تک بڑی محنت و جانفشانی تن دہی اور کامیابی کے ساتھ پڑھایا، شعبۂ حفظ کے ننھے سے پودے کی آبیاری کر کے اس کو تناور درخت بنایا۔

پھر جب ۱۹۷۴ء میں مدرسہ فرقانیہ کے لئے حافظ صاحب کی خدمت کی ضرورت محسوس کی گئی، حافظ صاحب نے اپنے مرشد و مصلح حضرت مولانا محمد منظور صاحبؒ نعمانی سے مشورے کے بعد اپنی مادر علمی کی آواز پر لبیک کہا، اس کے زمام اہتمام کو سنبھالا اور کامیابی کے ساتھ چلایا، بہت جلد اس کو معمول پر لے آئے بلکہ اس میں ایک تازگی پیدا کردی، ایک روح پھونک دی پہلے سے مزید فعال بنا دیا، یہ حافظ صاحب کی جدوجہد، خلوص نیت، حسن انتظام اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ فرقانیہ قرآن کی تعلیم کے حوالے سے مشرقی یوپی کا سب سے نیک نام اور نمایاں ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے، آج صرف شعبہ حفظ میں سولہ درجات قائم ہیں اور بچوں کی تعداد چار سو سے زائد ہے شعبۂ عربی، قرأت اور پرائمری اس کے علاوہ ہیں۔

عبادت وشب بیداری:

حافظ صاحبؒ ایک کامیاب و باصلاحیت استاذ اور بہترین منتظم ہی نہیں تھے وہ ایک عبادت گذار اور شب زندہ دار بھی تھے، عبادت و ریاضت، تقوی و پرہیزگاری میں

سلف صالحین کا بہترین نمونہ نیز بزرگوں اور اہل اللہ کے اخلاق و عادات کا پرتو تھے۔ اکابر علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے بچپن سے نماز با جماعت کے پابند تھے، تکبیر اولیٰ کا خاص اہتمام کرتے، کوشش یہی ہوتی کہ تکبیر اولی چھوٹنے نہ پائے اور مدرسہ میں رہتے ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تکبیر اولیٰ چھوٹی ہو۔ نماز کے پابند ہی نہیں بلکہ خوگر تھے سفر ہو یا حضر ان سے نماز قضا نہیں ہوتی تھی سفر میں جیسے ہی نماز کا وقت ہوا اور جہاں ہوا ٹرین ہو یا اسٹیشن ہو یا بس اڈہ، وہیں وضو کیا اور مصلّی بچھا کر نماز شروع کردی، سفر میں وہ احتیاطاً مٹی کے ڈلے رکھ لیتے، جہاں پانی دستیاب نہیں ہوتا تیمّم کر کے نماز پڑھ لیتے لیکن قضا نہ ہونے دیتے، شب بیداری کا خاص خیال رکھتے تہجد کی نماز کبھی نہیں چھوٹتی تھی، ان کے رفقاء سفر کا بیان ہے کہ سفر میں ان سے تہجد قضا نہیں ہوتی تھی، ۱۸ سال کی عمر سے زندگی کے آخر لمحات تک تہجد کی نماز کی پابندی کرتے رہے اور آہ سحر گاہی و صبح خیزی سے روحانی لطف اٹھاتے رہے کیونکہ ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے سحر گاہی

سلوک وتصوف:

سلوک وتصوف، تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح وتطہیر کے لیے حافظ صاحب نے سب سے پہلے خط وکتابت کے ذریعے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق قائم کیا، اس کے بعد حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب سے تعلق قائم کیا جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور معتمد خاص تھے ان کے انتقال کے بعد مشہور عالم دین، بلند پایہ محدث، صاحب طرز مصنف، ولی کامل، پیر طریقت اور مصلح امت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے، حافظ صاحب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کو صرف اصلاحی باطنی اور تزکیہ نفس کے تعلق سے اپنا قدوہ اور پیشوا نہیں سمجھتے تھے بلکہ دینی، اصلاحی، مذہبی علمی اور انتظامی تمام معاملات میں انہیں سے مشورہ لیتے اور عمل کرتے، حضرت مولانا کی خصوصی توجہ نے حافظ صاحب کی عملی زندگی میں مزید نکھار پیدا کر دیا تھا، حافظ صاحب بھی دو ہی

حضرات کو اپنا سب سے زیادہ ہمدرد خیر خواہ، مصلح و مربی مانتے تھے، ایک اپنے استاذ محترم مولانا قاری عبدالوہاب صاحبؒ اور دوسرے حضرت مولانا نعمانیؒ صاحب کو۔

حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کو حافظ صاحب کے اخلاص، تقویٰ پرہیزگاری اور امانت و دیانت پر بہت اعتماد تھا چنانچہ انہوں نے اپنی نماز جنازہ کے لیے جن تین حضرات کے نام وصیت کی تھی ان میں حافظ صاحب شامل تھے، اور غسل کے لیے صرف حافظ صاحب کے نام کی وصیت تھی، وصیت کے مطابق غسل حافظ صاحب نے ہی دیا تھا، جب کہ نماز جنازہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب نے پڑھائی تھی۔

اس کے علاوہ حافظ صاحب نے وقت کے اکابر امت، مشائخ طریقت اور بزرگان دین سے روحانی اصلاح، تزکیہ نفس اور اکتساب فیض کیا، اپنے وقت کے ولی کامل حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور ان کے میخانہ تصوف سے بادہ کشی کی، حافظ صاحب بزرگوں سے بہت تعلق رکھتے، ان کا تہہ دل سے احترام کرتے، ان سے ملاقات کے لیے وقت نکالتے کئی کئی میل علماء دین اور بزرگوں سے ملاقات کے لیے پیدل چلے جاتے تھے، یہ انہی بزرگوں اور اللہ والوں کی دعاؤں اور اور توجہات کی برکت تھی اور خود ان کی حسن طلب کا ثمرہ کہ حافظ صاحب اس بلندی پر پہنچے۔

سادگی و بے تکلفی

حافظ صاحب کے اوصاف جمیلہ میں سے سادگی و بے تکلفی کا وصف نمایاں تھا، وہ سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے، بننے سنوارنے اور عمدہ کپڑے زیب تن کرنے کا کوئی شوق نہ تھا، جو میسر ہوا وہی پہن لیا، عظمت شان کے باوجود کبھی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ ان کے یہاں کوئی تڑک بھڑک تھی، اور نہ تصنع اور بناوٹ، تکلفات سے ان کی طبیعت گریز کرتی، جلسے جلوس سے نہ ان کو مناسبت تھی اور نہ رسمی تقریبات و اجتماعات میں شرکت کرتے، ان چیزوں میں وہ اپنی روح کی تشنگی کا سامان نہیں پاتے تھے،

سادگی اور کفایت شعاری کا یہ عالم تھا کہ اس آخری عمر میں بھی وہ پسنجر ٹرین سے جنرل ڈبے میں بلا کسی جھجھک کے سفر کرتے اور اسی میں وہ راحت محسوس کرتے، ابھی تین چار مہینے پہلے کی بات ہے حافظ صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب کے یہاں تشریف لے گئے تھے میں بھی لکھنؤ گیا تھا، واپس آرہا تھا، بادشاہ نگر اسٹیشن پر ملاقات ہوئی، حافظ صاحب لکھنؤ۔ گونڈہ پسنجر کے انتظار میں تھے، کہنے لگے بھائی یہ ٹرین بہت سستی ہے صرف بیس روپئے میں جو رکشہ کا کرایہ ہے پہنچا دیتی ہے صبح آتی ہے شام واپس ہو جاتی ہے اس سے سبق کا نقصان نہیں ہوتا ہے، میں اکثر اسی سے آتا جاتا ہوں، عزیزم سجاد میاں اصرار کر رہے تھے کہ انٹرسٹی سے ریزرویشن کروادیں، لیکن مجھے وہ پسند نہیں ہے میں نے انکار کر دیا، جب میں آرام سے بیس روپئے میں پہنچ جاؤنگا تو زیادہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟

قناعت واستغناء

مال و دولت کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے لیکن موجودہ دور خالص اقتصادی برتری کا دور ہے، آج پوری دنیا سیم وزر کے محور پر ناچ رہی ہے، ہر شخص مال و دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے، اس ہوس سیم وزر کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہتے نظر آرہے ہیں، اور بڑے بڑوں کے قدم پھسل رہے ہیں، لیکن اقتصادی برتری کے اس گرما گرم ماحول اور سیم وزر کے سیلاب رواں میں حافظ صاحب کے پایۂ استقامت میں کوئی جنبش نہیں آئی، وہ مال و دولت سے بہت بے نیاز و مستغنی تھے، قناعت ان کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی، چنانچہ حافظ صاحب اس دنیا سے اس حال میں گئے کہ ان کے نام نہ کئی منقولہ، نہ ان کے نام کوئی بینک بیلنس اور نہ ہی ان کا کوئی ذاتی مکان، مدرسہ کے مکان میں کرایہ پر زندگی گزار دی، اپنے لئے ذاتی مکان نہیں بنوایا، زندگی کے آخری لمحات تک معمولی سی تنخواہ پر گزر بسر کیا۔

البتہ حافظ صاحب جذبہ خیر خواہی و ہمدردخوب رکھتے تھے، وہ مجبوروں کی مدد کرنا اپنا شیوہ اور فرض سمجھتے تھے، اگر یہ سمجھتے کہ میرے کہنے پر کسی مجبوری کی مدد، کسی کمزور کا

تعاون ہو جائے گا تو اس کے لیے دوسرے سے درخواست کرنے میں کوئی عار اور جھجک نہیں محسوس کرتے تھے بلکہ ضرور تعاون کی درخواست کر دیتے، ابھی چند مہینے پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی اور تکلیف کچھ زیادہ ہوگئی، ظہر کی نماز پڑھ کر ڈاکٹر عبید محمود صاحب جا رہے تھے، حافظ صاحب کے اثبات میں جواب دیا پھر حافظ صاحب نے اپنی جیب سے کچھ روپئے نکالے اور ڈاکٹر صاحب کو دینے لگے کہ یہ انہیں دیدینا، بھائی وہ مجبور ہیں، بہت نیک ہیں اور قرآن شریف بہتر پڑھتے ہیں (اگر حافظہ خطا نہ کر رہا ہو تو الفاظ یہی تھے) ڈاکٹر صاحب اتنے حساس اور زیرک آدمی، وہ کیوں کر حافظ صاحب سے اپنے ہاتھ میں لیتے اور ان صاحب کو دیتے؟ وہ سمجھ گئے کہ حافظ صاحب کی خواہش یا اشارہ ہے کہ مریض کی کچھ مدد ہونی چاہئے، اگر آپ سے ہو سکے تو کر دیجئے۔

قرآن سے محبت

حافظ صاحب کو قرآن عظیم سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، قرآن سے ان کا تعلق عشق کے درجہ تک تھا بہت کثرت سے قرآن کی تلاوت کرتے جب بھی کوئی موقع ملتا تلاوت شروع کر دیتے، قرآن کی تلاوت ان کی روحانی غذا تھی، قرآن کو پڑھے اور سنے بغیر انہیں ایک قسم کا اضطراب رہتا، جب بھی انہیں کوئی بے چینی اور تکلیف محسوس ہوتی تو وہ قرآن کی تلاوت میں لگ جاتے یا درسگاہ میں طلبہ سے قرآن سنتے وہ فرمایا کرتے تھے کہ درسگاہ میں قرآن پڑھنے اور سننے سے مجھے دلی سکون اور قلبی راحت ملتی ہے وہ اس آخری عمر اور معذوری کی حالت میں جب گھر سے وہیل چیئر پر مسجد میں جاتے تو ہاتھ میں قرآن شریف ہوتا، پڑھتے ہوئے جاتے۔

قرآن شریف کی تدریس وتعلیم کو عام کرنا، گھر گھر پہونچانا، مسلمان کے بچہ بچہ کو قرآن کی صحیح تعلیم دینا ان کی زندگی کا نصب العین تھا، انہوں نے اپنی پوری زندگی اس کے لیے وقف کر دی، وہ قرآن مجید کو تجوید کے قواعد کی پابندی کے ساتھ مگر تکلف اور تصنع کے

بغیر پڑھنے کی عادت ڈالنے کے زبردست داعی تھے، لوگوں کو اس کی تاکید کرتے اور ترغیب دیتے، اس میدان میں حافظ صاحب بہت کامیاب بھی رہے۔ مشرقی یوپی کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جہاں فرقانیہ کے تربیت یافتہ حفاظ قرآن عظیم کی خدمت نہ کر رہے ہوں۔

حافظ صاحبؒ کو اللہ کی ذات اور اس کے کلام سے اس قدر عقیدت ومحبت نے دوسروں کی نظر میں محبوب بنا دیا تھا، جو اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، ورنہ حافظ صاحب کیا تھے؟ نہ وہ عالم وفاضل تھے، نہ مفکر ودانشور اور نہ ہی مصنف ومحقق، اس کے باوجود وہ لوگوں کے نور نظر رہے، ان کی پسند رہے۔ یہ اللہ سے تعلق اور اس کے کلام سے عقیدت ومحبت کی برکت ہے۔

وقت کی پابندی

حافظ صاحبؒ وقت کے بہت پابند تھے، ہر کام اس کے وقت پر کرتے، امور مفوضہ میں نہ خود تاخیر وکوتاہی برداشت کرتے، اسباق اور تعلیمی اوقات میں تو خاص طور سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بغیر کسی معقول کے عذر کے تاخیر ہوئی ہو، بلکہ ہمیشہ درسگاہ میں آدھا گھنٹہ بیس منٹ پہلے تشریف لاتے، میرا تین سالہ مشاہدہ ہے میں نے ہمیشہ ان کو دیکھا کہ گھنٹہ شروع ہونے سے پہلے درسگاہ میں آتے کم از کم اس میں حافظ صاحب اس دور میں سب سے نمایاں تھے، منصب اہتمام پر فائز ہوتے ہوئے اسباق اور تعلیمی اوقات کی پابندی ایک مدرس سے کہیں زیادہ کرتے تھے، موجودہ دور میں کسی کو ایسا نہیں پایا جو منصب اہتمام پر فائز ہو اور چھ گھنٹے سے زیادہ اوقات پابندی کے ساتھ درسگاہ میں لگاتا ہو۔

حالیہ چند سالوں کو چھوڑ کر جب حافظ صاحب بہت کمزور ہو گئے تھے، ان کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز پڑھ کر طلبہ کو بیدار کرتے اور درسگاہ میں بیٹھ جاتے، فجر کی نماز کے بعد بھی درسگاہ میں بیٹھتے، طلبہ کو صرف ناشتے کے لیے چھٹی دیتے خود ناشتہ درسگاہ میں

کرتے ،اسباق واوقات کی پابندی نے حافظ صاحب کوایک کامیاب اورمقبول ترین استاذ بنادیا تھا،منصب اہتمام کی ذمہ داریوں سے حافظ صاحب کی تدریس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیاجب کہ اکثر ایسا دیکھنے میں آیاہے کہ منتظمین کی تدریس متاثر ہوجاتی ہے۔

آج حافظ صاحبؒ ہمارے درمیان موجودنہیں ہیں لیکن ان کی خدمات ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی ۔رب کریم حافظ صاحب کوغریق رحمت کرے ۔ان کی قبرکونور سے بھر دے ،جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے ،ان کے مشن خدمت قرآن کو جاری رکھے،اورپسماندگان کوصبرجمیل عطافرمائے ۔آمین

خاتمہ بالخیر

حافظ صاحب کا کافی عرصہ بلندفشارخون اورتنفس کی شکایت،جس کی وجہ سے کبھی کبھی تکلیف اوربے چینی بڑھ جاتی تھی ،لیکن طبیعت بہت جلد سنبھل جاتی ،اورحسب معمول پڑھنے پڑھانے میں لگ جاتے ،اس مرتبہ کچھ ایسا ہی رہا،لوگ بہت مطمئن تھے کہ حافظ صاحب بہت جلدصحت یاب ہوجائیں گے،لیکن ۲۹/جولائی کو بعدنماز مغرب آکسیجن کی کمی محسوس کی گئی تو آشیروادنرسنگ ہوم داخل کیا گیا آکسیجن دینے کے بعدحافظ صاحبؒ کو کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، بلکہ طبیعت میں اتارچڑھاؤ ہوتا رہا،اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے اعزاواقارب ،شہر کے معززین مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ کی آمدورفت کا سلسلہ پوری رات جاری رہا،اورڈاکٹر سنجے کے علاوہ ڈاکٹرمحمد صادر،ڈاکٹرمحمود عالم اورڈاکٹرعبید محمود ایک بجے شب تک نرسنگ ہوم میں رہے اور وقفہ وقفہ سے دیکھتے رہے،کچھ افاقہ ہوالیکن خاطرخواہ نہیں،پھرصبح کے بعدطبیعت نہیں سنبھلی،وقت موعود آچکا تھانوشتہ تقدیر پوراہوچکا تھاجوایک منٹ کے لیے آگے پیچھے نہیں ہوتا،اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون، بالآخراس دنیائے رنگ وبومیں نوے سے زائد بہاریں گذارکر۳۰/جولائی بروز بدھ سوابجے دن میں آخری سانس لی۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

حافظ صاحب کے انتقال کی خبرعام ہوتے ہی شہر میں ایک کہرام سا مچ گیا، تعزیت اورآخری دیدار کے لیےلوگوں کا تانتا بندھ گیا قرب وجوار کے اضلاع کے عوام اورمدارس کے نمائندے امڈ پڑے۔جنازہ میں ایک زبردست عوامی سیلاب تھا،نماز جنازہ بعدنماز عشاء(۹/۳۰)عالم اسلام کے معروف عالم دین حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء وصدرمسلم پرسنل لا بورڈ نے پڑھائی ۔لوگوں نے نمناک آنکھوں،غمگین دلوں،اداس چہروں اورکانپتے ہوئے ہاتھوں سے حافظ صاحب کے جسدخاکی کوان کی آخری آرام گاہ گلاب شاہ تکیہ میں پہنچادیا۔ ع

خدارحمت کندایں عاشقان پاک طینت را

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب قاسمی
استاذ مدرسہ بیت العلوم بہرائچ

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ وہ کتنی دلکش، کتنی پُر بہار، کتنی نغمہ بار اور کتنی دل آویز و دل افروز ہو بالآخر اے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے، آگے پیچھے کا فرق ضرور ہے، لیکن انسان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ وہ اس سامنے کی حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کر کے اس کائنات اور اس میں پائی جانے والی رنگینیوں سے اس طرح دل لگا بیٹھتا ہے، جیسے اس کو بقائے دوام کی کوئی ضمانت مل گئی ہے حالاں کہ "کل من علیھا فان" اور "لا تدری نفسس بای ارض تموت" کے قرآنی ارشادات کا کوئی کٹر سے کٹر ہر یہ بھی انکار نہیں کرسکتا، لیکن عملی زندگی میں یہ مسلم حقیقت ہماری نظروں سے اس طرح اوجھل رہتی ہے جیسے یہ کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ اب تک اس پر یقین کر لینے کو دل آمادہ نہیں ہوتا ہے کہ ہمارے مشفق مربی، محسن ومکرم، استاذ الاساتذہ حضرت الحاج حافظ محمد اقبال صاحبؒ اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ "اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ اللّٰھم اکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابد لہ دارا خیرا من دارہ، واھلا من اھلہ ونقہ من الخطا یا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس و بلغہ الدرجات العلیٰ من الجنۃ آمین" بلاشبہ حافظ صاحبؒ اس دور میں قرآن عظیم کا زندہ معجزہ تھے ان کے اوصاف وکمالات کو اگر ان آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو صرف لوگوں

کے کہنے سے یقین آنا مشکل تھا، ان کے سراپا، ان کی اداؤں اور ان کے انداز زندگی میں جو زہد وتقویٰ جھلکتا نظر آتا تھا اس نے نہ صرف اپنوں کو بلکہ غیروں کو بھی متاثر کیا حافظ صاحبؒ نے ۱۹۱۲ء میں مشرقی یوپی کے مشہور ضلع گونڈہ کے ایک قصبہ کرم ڈیہہ کے ایک دینی گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، والد صاحب عبداللہ بہت ہی نیک صفت مرد تھے صوم وصلوۃ کے پابند تھے والدہ صاحبہ بھی بہت سے اوصاف حمیدہ کی مالک تھیں خصوصاً سخاوت میں انتہائی مشہور تھیں دادیہال ونانیہال دونوں جگہ دینی ماحول تھا، خصوصاً نانا وغیرہ کا تعلق اپنے دور کے اکابر اہل اللہ سے تھا، حافظ صاحبؒ پر بھی ان تمام اوصاف کا رنگ چڑھا، حافظ صاحبؒ بچپن ہی سے انتہائی ہونہار تھے، مڈل تک کی تعلیم ہلد ہرمئو میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے باقاعدہ حضرت قاری عبد الوہاب صاحبؒ اور قاری عبدالمالک صاحبؒ کی شاگردی حاصل کی، قاری عبدالوہاب صاحبؒ بانئ مدرسہ فرقانیہ کو حافظ صاحب سے والہانہ تعلق تھا اور وہ حافظ صاحبؒ پر خصوصی توجہ فرماتے تھے شاید اسی تعلق اور توجہ کا نتیجہ تھا کہ قاری صاحب کی ہمشیرہ حافظ صاحبؒ کے ساتھ منسوب ہوئیں۔

بہرحال حافظ صاحبؒ نے آٹھ سال کی مدت میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر لی، ۱۹۳۱ء میں حافظ صاحبؒ قرآن عظیم کی خدمت شروع کی جو کہ زندگی کے آخری ایام تک انتہائی مخلصانہ انداز میں کرتے رہے، اگر ان کی زندگی کا نقشہ مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو بلا کسی مبالغہ کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی قرآن عظیم میں رچی بسی ہوئی تھی، سرکار دوعالم ﷺ کی منقول دعاؤں میں ایک دعا اس طرح منقول ہے۔ واسالك باسمك الذی استقر به عرشك .....ان ترزقنی القرآن العظیم و تخاطه بلحمی و دمی و سمعی و بصری و تستعمل به جسدی (اے اللہ میں آپ کے نام کے واسطے سے جس سے آپ کا عرش قرار پذیر ہے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن عظیم عطا فرمائیں اور اسے میرے گوشت میرے خون میری سماعت میری بصارت میں

رچادیں اور میرے جسم کو قبر ان ہی میں استعمال فرمائیں) ایسا معلوم ہوتا حافظ صاحبؒ نے کبھی یہ دعا دل سے مانگی تھی، جو ان کے حق میں قبول ہوگئی ان کی زبان تو تقریباً ہر وقت قرآن عظیم کی تلاوت سے تر و تازہ رہتی تھی، ان کی سوچ ان کے قلب و ذہن اور فکر و خیال کا محور قرآن کریم ہی تھا، بس فکر ہر وقت یہ تھی کہ قرآن عظیم کی تعلیم اور نشر و اشاعت کا بہتر سے بہتر کون سا طریقہ اختیار کیا جائے بلا شبہ یہ تمام محنتیں اور کاوشیں ان کے حق مین صدقہ جاریہ ہوں گی، حافظ صاحبؒ نے کسی وجہ سے ۱۹۵۳ء میں فرقانیہ چھوڑ کر باندہ قاری صدیق صاحبؒ کے یہاں جانے کا ارادہ فرمایا لکھنؤ مرکز والی مسجد میں مولانا علی میاں صاحبؒ مولانا معین اللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی، ان دونوں بزرگوں نے حافظ صاحبؒ سے ندوۃ العلما لکھنؤ میں حفظ قرآن کی خدمت کرنے کے لئے درخواست کی اور بہت اصرار کیا، حافظ صاحبؒ اپنے شیخ مولانا منظور نعمانیؒ (جن سے ان کو خصوصی تعلق تھا اور بہت ہی عزت و احترام کی نگاہ سے ان کو دیکھتے تھے اور بعد میں حافظ صاحبؒ ان ہی کے خلیفہ بھی ہوئے) سے مشورہ کر کے ان کی ایما پر ندوۃ العلماء کے اندر حفظ قرآن کی داغ بیل ڈالی، تقریباً ۲۰ سال تک حافظ صاحبؒ انتہائی محنت و جانفشانی سے اس ادارے کی خدمت کرتے رہے ندوۃ العلماء کے ابتدائی شاگردوں میں مولانا عبدالحفیظ صاحب (جو حافظ صاحبؒ کے چھوٹے داماد اور فرقانیہ کے مایہ ناز استاذ ہیں) مولانا عبدالباری صاحب، حافظ عبدالمنان صاحبؒ، وغیرہ ہیں، ۱۹۷۴ء میں حافظ صاحب کو انتہائی اہم تقاضوں کی وجہ سے مدرسہ فرقانیہ کا مہتمم بنا کر دوبارہ لایا گیا، ابتدا میں عارضی طور پر بعد میں مستقل طور پر حافظ صاحب مہتمم قرار پائے اور ۳۵ سال تک اس عہدے پر فائز رہتے ہوئے فرقانیہ کے لئے وہ خدمت انجام دی جس کی تفصیل کے لئے ضخیم کتاب درکار ہے مختصراً یہ کہ حافظ صاحب کے آنے کے وقت فرقانیہ میں حفظ کے صرف دو درجے تھے اور اب بحمد للہ حافظ صاحب کی محنت و توجہ سے ۱۶ درجے ہیں اسی طرح عربی کی تعلیم ہدایت النحو تک تھی جواب بحمد للہ جلالین شریف تک جا پہنچی ہے، اور حافظ صاحب کی محنت سے فرقانیہ حفظ قرآن کا ایک

ایسا تناور درخت بن چکا ہے، جس کی تازگی اور ہریالی ہندوستان ہی نہیں بیرون ممالک تک پہنچ گئی ہے، آج فرقانیہ کا موجود بڑا عملہ عظیم الشان عمارتیں پرشکوہ مسجد سب حافظ صاحب کی انتھک محنت و کوشش کا ثمرہ ہے اس پیرانہ سالی اور عوارض مسلسل کے باوجود مدرسہ کے مفاد کے لئے اسفار کرنا حافظ صاحب کا پسندیدہ عمل تھا، اس کے لئے ہر تکلیف و صعوبت کو بہت ہی مزے لے لے کر بیان فرماتے رہتے تھے، عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ ۱۶ سال کی عمر سے تہجد کی پابندی نصیب ہوئی جو اخیر تک قائم رہی سفر و حضر کبھی اس سے محرومی نہیں ہوتی تھی ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء نوافل کی پابندی اس درجہ تھی کہ اشراق، چاشت وغیرہ ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی فرض نمازیں ہیں خوف و خشیت کا یہ عالم تھا کہ اکثر قرآن عظیم پڑھتے ہوئے، سنتے ہوئے نیز دعاؤں میں زار و قطار رویا کرتے تھے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے بہت ہی عاشق تھے، اکثر تلبیہ اور مخصوص دعائیں بڑے درد بھرے انداز میں پڑھتے تھے جس سے سامعین پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، امانت و دیانت اور تقویٰ و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی رقم کو سانپ سے تعبیر کیا کرتے تھے، اور یہ صرف زبانی ہی نہیں تھا بلکہ اس میں حد درجہ احتیاط بھی کرتے تھے ذمہ داری کے ایسے پابند تھے کہ تہجد کی نماز کے بعد ہی سے اسباق سننے لگتے تھے، حتیٰ کہ ناشتہ بھی درسگاہ میں تہجد کے بعد کیا کرتے تھے، سادگی کا یہ عالم تھا کہ ہر عمل سے اس کی جھلک نظر آتی تھی، شان استغنا ایسی کہ اپنے لئے کوئی ذاتی مکان تک نہیں بنایا، مدرسہ کے ایک قدیم مکان کو اپنی قیام گاہ بنا رکھا تھا قرآن عظیم کی ایسی محنت کہ انتقال کے دن بھی اسی کی دھن سوار تھی اور یہ جملہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکا تھا کہ مجھے درسگاہ میں پہنچنے کے بعد ہر بیماری سے شفا مل جاتی ہے ادھر کئی سالوں سے پے در پے بیماریوں و اعذار نے ان کو گھیر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ایسی قابل رشک خدمت انجام دے رہے تھے کہ لوگوں کو حیرت و تعجب ہوتی تھی، عام طور سے سانس پھولنے کی شکایت زیادہ رہتی تھی عام طور سے سانس پھولنے کی شکایت زیادہ رہتی تھی گزشتہ اتوار سے یہ تکلیف شدت اختیار کر گئی، ڈاکٹروں کے مشورے سے ان کو

ہسپتال میں داخل کرایا گیا،لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، انتہائی کرب و بے چینی کے عالم میں ہسپتال میں تقریباً ۲۰ گھنٹے گزارے اس درمیان میں جب ہوش آیا تو قرآن عظیم اور درسگاہ ہی کو یاد کیا اسی دوران سانس اکھڑنی شروع ہوگئی اور داعئ اجل کو لبیک کہنے کا وقت قریب آ گیا بالا اخر علم وعمل کا یہ کوہ ہمالیہ (جس نے ۷۵ سال تک قرآن عظیم کی وہ خدمت انجام دی کہ اس جتنا رشک کیا جائے کم ہے،اور جس کے شاگردوں کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں کے قریب ہوگی جو ہندوستان کے علاوہ افریقہ۔اندونیشیا،ملیشیا،ترکی، سعودی عرب کے اندر خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں)افسوس کی یہ قابل رشک شخصیت اپنی عمر کی ۹۶ بہاریں دیکھنے کے بعد ۲۶ ؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ بمطابق ۳۰ ؍جولائی ۲۰۰۸ بروز بدھ اس دنیا سے رخصت ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون ،اسی دن بعد نماز عشاء مدرسہ فرقانیہ کے وسیع وعریض صحن میں خواص وعوام کے ایک بہت بڑے مجمع نے حضرت مو لانا محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ زید مجدہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور وہیں سے ایک کلومیٹر دور قبرستان گلاب شاہ تکیہ میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ اس مرد مجاہد کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور اس کو اس کی قابل رشک خدمات کا اپنی شایان شان اجر عطا فرمائے ،پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، امت کو اور خصوصاً مدرسہ فرقانیہ حضرت حافظ صاحب کا نعم البدل مرحمت فرمائیں۔آمین یا رب العالمین۔(بحوالہ ماہنامہ نور العلوم بہرائچ)

ایک مرد درویش کی زندگی کے چند نقوش

مولانا مفتی اسعد الدین صاحب قاسمی
استاذ حدیث وفقہ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم کانپور

شعور کے روز اول ہی سے جن چند بزرگوں کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل رہا ہے ان میں ایک نام حضرت حافظ محمد اقبال صاحب کا ہے حضرت حافظ صاحب مشرقی یوپی کے ضلع گونڈہ کے ایک دیہات (کرم ڈیہہ) میں تقریباً ایک صدی قبل پیدا ہوئے۔ مڈل تک اسکول میں تعلیم حاصل کی پھر حفظ وتجوید قرآن کے لئے اولا مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور پھر ۱۹۳۴ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے قیام کے بعد گونڈہ چلے آئے اور یہیں حفظ وتجوید کی تعلیم مکمل کر کے اولاً ناظرہ اور پھر تحفیظ قرآن کی خدمت میں لگ گئے اور یہ سلسلہ زندگی کی آخری سانس تک جارہا۔حضرت حافظ صاحب کی حیات وخدمات پر ماہرین ارباب قلم نے بہت کچھ لکھا اور لکھتے رہیں گے۔راقم تو سطور ذیل میں ان اوصاف وکمالات کی نشاندہی کرنے کی کوشش کررہا ہے جن کی وجہ سے کسان کے گھر میں پیدا ہونے والا ایک ضعیف وناتواں انسان مرجع العلما بن گیا اور محبوبیت ومقبولیت کا وہ مقام بلند عطا ہوا جہاں تک رسائی دور حاضر میں خال ہی خال کسی کی ہوتی ہے۔

قرآن مجید سے عشق

حضرت حافظ صاحب کو قرآن مجید پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے سے اس قدر عشق تھا کہ ہر وقت بے چین رہتے تھے سفر ہو یا حضر جب تک قرآن کریم کے تین پارے تلاوت نہیں کر لیتے تھے چین نہیں آتا تھا۔عمر کے آخری حصہ میں جبکہ مختلف امراض واعذار

کے شکار تھے رات کو نیند نہیں آتی تھی ہر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اٹھتے اور تلاوت شروع کر دیتے۔ تنفس کی شکایت تھی ڈاکٹر اور گھر والے منع کرتے مگر کسی کی نہ سنتے تھے۔ حافظ صاحب کی قرآن سے دارفتگی اور شغف کا عالم یہ تھا کہ رات و دن کا بیشتر حصہ قرآن کی تلاوت وسماعت میں گزرتا تھا۔ تلاوت وخدمت قرآن کا جو ذوق حافظ صاحب کو ملا تھا کم ازکم مجھے ایسا کہیں دیکھنے کو نہیں ملا۔ فجر کی اذان سے درجہ میں بیٹھ کر قرآن سننا شروع کر دیتے تھے اور پورے دن تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا کھانا ناشتہ سب درجے میں ہوتا تھا اخیر عمر میں ضعف و بیماری کی وجہ سے اگر ڈاکٹر یا گھر والے درجہ میں بیٹھنے سے منع کرتے اور آرام کے لئے کہتے تو فرماتے کہ مجھے قرآن سننے میں بڑا مزہ آتا ہے اور جب میں درجہ میں پہنچ جاتا ہوں تو بڑا سکون ملتا ہے حافظ صاحب کی خواہش یہ تھی کہ وہ قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں۔ اللہ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی چنانچہ اپنی زندگی کے آخری دن بھی باقاعدہ دونوں وقت درجہ میں بیٹھ کر طلبہ کا قرآن سنا ہے۔

عبادات کا شغف

حضرت حافظ صاحبؒ کا سب سے بڑا اور قابل رشک وصف یہ تھا کہ وہ نماز انتہائی خشوع وخضوع اور بڑے سکون کے ساتھ پڑھتے تھے سفر وحضر میں آپ کے نماز کی کیفیت یکساں رہتی تھی تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے، ایک نماز سے فراغت کے بعد دوسری نماز کا انتظار بڑی شدت کے ساتھ کرتے تھے آپ کا دل ہر وقت مسجد میں گویا اٹکا ہوا رہتا تھا، طویل اسفار کے باوجود آپ کی تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی، اپنے متعلقین کو ہمیشہ نماز باجماعت کی تاکید فرماتے رہتے تھے آپ کی زبان سے مجدد الف ثانیؒ کا ملفوظہ بار بار سنا ہے کہ ''تمام عبادتیں وسائل نماز ہیں اور نماز مقاصد میں سے ہے''۔

وقت کی پابند

حضرت کی شخصیت کا ایک اور نمایاں وصف ''وقت کی پابندی'' تھا جس نے ان کو

عظمت ورفعت کے بلند مینار پر پہنچا دیا اور بڑوں کے نزدیک قابل قدر اور چھوٹوں کے لئے قابل رشک بنا دیا، وہ یہ کہ آپ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ ہمیشہ وقت سے آدھا پون گھنٹہ پہلے ہی درسگاہ میں پہنچ جاتے تھے مدرسہ کی ضروریات یا دیگر دینی واصلاحی مقاصد کے لئے اگر سفر ناگزیر ہو جاتا تو اسکی ترتیب حتی لامکان ایسی بناتے تھے کہ مدرسہ کے اوقات میں ایک لمحہ کا بھی نقصان نہ ہو اور بسا اوقات اس کے لئے پسینجر ٹرین اور لوکل گاڑیوں کے تکلیف دہ سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کر لیتے تھے حافظ صاحب کا یہ وصف تمام ملازم پیشہ بالخصوص اساتذہ مدارس کے لئے قابل تقلید ہے۔

جماعت کا اتحاد

حضرت حافظ صاحبؒ کو جماعت کا اتحاد بہت عزیز تھا اختلافات سے بہت گھبراتے تھے دسیوں مرتبہ راقم نے حافظ صاحبؒ کی زبان سے یہ جملہ سنا ہے کہ ''بھائی اختلاف سے ایمان چلا جاتا ہے'' مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ۳۳ رسالہ دور اہتمام میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کے چھوٹوں نے بلکہ آپ کے سائیہ شفقت میں پلنے والوں اور آپ کے زیر تربیت نشو نما پانے والوں نے آپ کے خلاف ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی اور آپ کی شان میں بہت سے نازیبا دھمکی آمیز جملے کہے مگر صبر وتحمل کے اس پہاڑ نے کبھی جواب دینے اور انتقام لینے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایسے مواقع پر ہمیشہ سکوت اختیار کیا آپ کے سکوت وصبر کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ فرقانیہ اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود آج بھی بحمد اللہ پوری شان کے ساتھ چل رہا ہے، اور بہت سے تشنگان علوم وہاں سے سیراب ہو رہے ہیں۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دئے تھے انداز خسروانہ

ضرورت مندوں ومحتاجوں کی خبر گیری

حافظ صاحبؒ کی ایک اور بہت ہی اہم اور نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ ضرورت

مندوں اور غریبوں کی خبر گیری فرماتے تھے مدرسہ کے اساتذہ وملازمین میں سے اگر کوئی ضرورت مند ہوتا تو آپ اس کے لئے پریشان ہو جاتے تھے حتی الوسع اسکی ضرورت خود پوری کرنے کی کوشش کرتے اور اگر ضرورت پڑتی تو اپنے متعلقین میں سے اہل خیر حضرات کو توجہ دلانے سے بھی دریغ نہیں فرماتے تھے غریب طلبہ اور پڑوسیوں کا خاص خیال فرماتے تھے، غریب طلبہ پریشان حالوں اور بیواؤں کی ایک لمبی فہرست ہوتی تھی جن کا مستقل تعاون حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے، اہل خاندان کی ضرورتوں کا بھی خاص خیال فرماتے تھے۔ اور کوئی مانگنے والی گھر آجائے تو اپنی چھوٹی صاحبزادی میری خوشدامن (میمونہ خالہ مدظلہا جنہوں نے آخیر کے تقریباً سترہ سال حافظ صاحب ہی کے پاس رہ کر ان کی بے مثال خدمت کی ہے اور حافظ صاحب کی بہت سی خوبیاں ان میں نمایاں طور پر جھلکتی ہیں) سے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اس کو کھانا ضرور کھلاؤ اور کھانا موجود نہ ہوتا تو پکوا کر کھلواتے تھے۔

اکابر سے تعلق ووابستگی

حضرت حافظ صاحبؒ کو قدرت نے نوجوانی ہی سے شعور واحساس عطا کیا تھا کہ اپنی تربیت واصلاح باطن کے لئے اللہ والوں سے تعلق ضروری ہے، چنانچہ عنفوان شباب ہی میں سب سے پہلے بذریعہ خط وکتابت حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، ان کی وفات کے بعد مشرقی یوپی کے ایک صاحب دل بزرگ حضرت مولانا ضرغام الدین صاحبؒ سے تعلق قائم کیا اور پھر ترجمان اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ سے وابستہ ہوئے اور اخیر دم تک وابستہ رہ کر تصوف وسلوک کے تمام مراحل طے کئے اور انہی سے خلافت واجازت بھی حاصل ہوئی۔

حضرت حافظ صاحبؒ کو جو اوصاف وخوبیاں قدرت نے عطا کیں تھیں ان کا احاطہ کرنا بظاہر مشکل ہے، سطور بالا میں آپ کی زندگی کے چند نمایاں نقوش کا ذکر کیا گیا

ہے۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی، مہمان نوازی، تواضع وانکساری، تلطف ورحمدلی، صداقت ووفا شعاری، تقویٰ وپرہیزگاری، امانت ودیانت داری جیسے اخلاق حسنہ سے بھی آپ آراستہ و پیراستہ تھے آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا سنت کے مطابق تھی، الغرض دین وقوم کا وہ سچا خادم، قرآن کا بے لوث عاشق ۹۵ سال کی قابل رشک زندگی گذار کر گذشتہ ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے ملا) اناللہ وانا الیہ راجعون

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آہی گیا

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو اپنا قرب خاص عطا فرمائے آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہم پسماندگان کو صبر کی اور حافظ صاحبؒ کے نقوش پر چل کر زندگی کو کامیاب بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (ماہنامہ سفیر حق کانپور)

یادوں کی کسک

محمد سعد خاں ندوی

یہ گناہ بے لذت ہے

ایک مرتبہ احقر مطبخ سے دال لا رہا تھا، حافظ صاحبؒ حسب معمول گیٹ کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، میرا کمرہ (عارضی مہمانہ خانہ) بالکل گیٹ سے ملا ہوا تھا جیسے ہی میں قریب پہنچا حافظ صاحبؒ نے زور سے آواز دیکر کہا بھائی ءادھر آؤ.....میں سمجھا غالبًا دال چیک کرنی ہوگی میں قریب گیا تو آپ نے کہا بھائی آپ کا پائجامہ ٹخنے سے نیچے ہے اسکو اوپر کیجئے اور یہ گناہ بے لذت ہے سوائے نقصان کے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تین نعمتیں

ایک مرتبہ حافظ صاحبؒ سے ملاقات کیلئے کچھ لوگ آئے عصر بعد کا وقت تھا اور حافظ صاحبؒ گیٹ کے قریب تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، بڑی دلچسپ باتیں ہو رہی تھیں اسلئے میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا اور ہمارے بغل میں حافظ صاحب کے خادم خاص علاؤالدین بھی کھڑے تھے، باتوں ہی باتوں میں حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی مجھے اللہ رب العزت نے دنیا میں تین چیزیں عطا کی ہیں وہ بھی صرف قرآن کی خدمت کی وجہ سے پہلی چیز اللہ نے ہماری عمر میں برکت کی اور صحت عطا فرمائی دوسری چیز اللہ نے ہمیں خوب عزت دی اور تیسری نعمت اللہ نے ہمیں خوب مال دے کر بے نیاز رکھا۔

یہ باتیں حافظ صاحبؒ سے تعلق رکھنے والا ہر فرد بشر خود غور کر سکتا ہے کہ بے شک اللہ رب العزت نے حافظ صاحب کو ان تینوں نعمتوں سے نوازا تھا، تقریباً ۹۶ سال کے قریب عمر ہے اور الحمد اللہ تمام نمازیں باجماعت مسجد ہی میں ادا فرماتے ہیں دوسری بات عزت تو تمام متعلقین اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ماہر فلسفیات حضرت مولانا عبد الباریؒ ندوی جیسے جید عالم اسلام کی بارسوخ شخصیات آپ کے لئے ہمیشہ چشم براہ رہا کرتی تھیں اور پھر مولانا منظور احمد نعمانیؒ کے آپ خلیفہ اجل تھے تیسری چیز مال کی بے نیازی اور بے نیازی ایسی کہ پوری زندگی کرائے کے مکان میں گزار دی، اور اپنا ذاتی مکان بنانا بھی گوارہ نہ کیا۔

اندرون کعبہ نماز

حافظ صاحبؒ کو اللہ رب العزت نے دنیا میں تمام طرح کی نعمتیں عطا کی تھیں، ساتھ ہی ساتھ ایک اور خاص نعمت سے سرفراز کیا وہ اندرون کعبہ نماز کی توفیق ہے یہ حقیقت ہے کہ جس کا تعلق اللہ کی کتاب قرآن کریم سے جتنا گہرا اور مظبوط ہوگا، اتنا ہی اس کا تعلق اللہ اور اس کے گھر کعبۃ اللہ سے بھی وابستہ ہوگا، گویا کہ کتاب اللہ اور بیت اللہ دونوں لازم وملزوم ہیں، حضرت حافظ صاحبؒ کا کتاب اللہ سے جو تعلق تھا وہ سب جانتے ہیں قرآن کریم سے اس گہرے بلکہ عشق کی حد تک ہونے کی وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو اندرون کعبۃ دوگانہ کی نعمت سے سرفراز کیا۔

قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ

حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ اگست ۲۰۰۸ء میں ادارہ المعہد الاسلامی، مانک مئو، سہارنپور کی ایک اہم اور پروقار تقریب میں قرآن کے دو عاشقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....ہمارے قاری ودود الحی صاحب ندوی تھے، بڑے اچھے مقرر تھے اور قاری اتنے اچھے تھے کہ جب پڑھتے تھے تو لطف آجاتا تھا، ایک جگہ میں ان کے ساتھ

گیا،تو انہوں نے تلاوت فرمائی ،طبیعت کھل گئی۔اور ابھی ہمارے حافظ اقبال صاحب کا انتقال ہوا ہے،اتفاق سے وفات سے پندرہ روز پہلے ان کے پاس ملنے چلا گیا،ندوہ میں انہوں نے ۲۰ سال پڑھایا ہے جب ملنے گیا تو میرا ہاتھ نہیں چھوڑ رہے تھے،پکڑ لیا بڑی محبت سے ملے،اور کہنے لگے مولانا عبداللہ صاحب میری ۹۵ سال کی عمر ہے اور اب بھی ۱۴ گھنٹے پڑھتا پڑھاتا ہوں،اور الحمدللہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے،۹۵ سال کا ہوں اور یہ قرآن کی برکت ہے۔میں ان کو دیکھتا رہا ہاتھ پکڑے رہے،کہنے لگے میں صبح آجاتا ہوں نا شتے کی فکر نہیں ہوتی میرے لئے یہ ناشتہ اصلی ہے،بس آکر رات تک وہیں بیٹھا رہتا ہوں یہی میری غذا ہے،ابھی چند ہفتے پہلے انتقال ہوا ہے بہار کے سفر میں جانے والے تھے ٹھیک تھے لیکن وقت آگیا جب وقت آجائے تو آجاتا ہے،اطمینان سے چلے گئے،قرآن کا آدمی تھا،اطمینان سے چلا گیا قرآن کے الفاظ سے تعلق رکھنے والوں کا یہ حال ہے۔

نماز کی پابندی

احقر نے قیام فرقانیہ ۲۰۰۷ اور ۲۰۰۸ کے درمیان بارہا مشاہدہ کیا کہ بڑے حافظ صاحب شدید بیماری اور بدن میں طاقت نہ ہونے کے باوجود نماز میں شرکت کیلئے بے چین ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ کو کسی بھی حالت میں وسعت کے باوجود نماز سے غیر حاضری گوارہ نہ تھی ،لہٰذا وہیل چیئر کے سہارے مسجد میں پابندی سے حاضر ہو رہے ہیں اور حالت یہ ہے کہ آمد و رفت بھی آپ کے لئے سخت کلفت و مشقت کا باعث ہے لیکن یہ سب اس جذبہ شوق میں تھا کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی بیماری و ناتوانی کی حالت میں نماز میں ضرور شریک ہوتے تھے تو یہ بندہ عاصی کیوں نہ ہو،البتہ کبھی کبھی گھر پر بھی باجماعت نماز ادا کرلیا کرتے تھے،اخیر وقت میں شدید بیماری کی وجہ سے عشاء اور فجر گھر پر ہی جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء کو آپ کا وصال ہوا لیکن نومبر ۲۰۰۷ء لکھنؤ کی شدید سردیوں

میں بے انتہا کمزوری کے باوجود،عمر کے اخیر حصہ میں تہجد کی نماز ترک نہیں ہوتی ہے،بقول پروفیسر سید ضیاء الحسن صاحب۔۲۰۰۷ میں جب حافظ صاحب کا رات میں قیام میرے غریب خانے پر ہوا،اس وقت شدید سردیاں تھیں،وہ بے انتہا کمزور ہو چکے تھے عمر کا اخیر حصہ تھا اس وقت بھی انہوں نے تہجد کی نماز ادا کی۔(ص ۱۷ نقوش پارینہ)

پیدا ہوں گے کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

ذکر خیر

حافظ احمد الباری صاحب فرماتے ہیں .....والد صاحب حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ جن چند لوگوں سے متاثر اور بہت خوش رہے ان میں حافظ محمد اقبال صاحب دام اقبالہ سرفہرست ہیں حافظ صاحب مدظلہ العالی کو ان کے یہاں آنے اور ملنے کی ہر وقت اجازت تھی اپنی وصیت میں انہوں نے انتقال کے بعد غسل دینے کی وصیت حافظ صاحب مدظلہ العالی اور مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ العالی اور نماز جنازہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی کے لئے فرمائی تھی وہ اللہ نے ان کی خواہش کے مطابق پوری فرمائی۔(بحوالہ تجدید تعلیم وتبلیغ ،ص:۶،از احمد الباری)

نذر اقبال

محمد شفقت علی ندوی کاوش شوکتی

خدمت قرآن سے اک عالم درخشاں کر دیا
خالی ہاتھ آئے جو ان کی کل بداماں کر دیا
اس نے اک مخلوق کی بخشش کا ساماں کر دیا
اس نے ذرّوں کو چنا اور مہر تاباں کر دیا
گلستاں کو اس نے رشک صد گلستاں کر دیا

ہر کسی کے حق میں محض سب سے ملنا پرتپاک
اس کو سچی بات کہنے میں نہیں تھا کوئی باک
تا دم آخر رہا وہ خادم قرآن پاک
اس کے مرنے کی خبر ہے کس قدر اندوہناک
اس خبر نے ہائے ہم سب کو ہراساں کر دیا

واقف سر شریعت، آشنائے راز تھا
بوالحسنؒ منظورؒ نعمانی کو اس پر ناز تھا
اس کے زہد و فقر کا اپنا الگ انداز تھا
مختصر بس یہ ہے وہ قرآں کا اک اعجاز تھا
اس نے قرآن سے محبت اپنا عنواں کر دیا

اس کا دن وقف تلاوت، اس کی شب وقف قیام
حفظ اور تجوید قراں میں سند تھا اس کا نام

فیضیاب اس سے ہوا ہے مشرق و مغرب تمام
اس پہ مولیٰ کی عنایت اور رحمت ہو مدام
عام اس خطّے میں اس نے فیض قرآن کر دیا

خُم نہ خُم ہے نہ ہی اب میکدہ و میکدہ
منفرد تھی اس کی قرآں سے محبت کی ادا
کتنے عالم، کتنے فاضل اس پہ دل سے تھے فدا
شاہ بھی قرباں تھے جس پر، وہ ایسا تھا گدا
مدرسہ کو انے صد گوہر بداماں کر دیا

اب وہ پدرانہ محبت کس طرح پائیں گے ہم
دل کی دنیا کو بسانے اب کہاں جائیں گے ہم
بے ریا، بے لوث الفت کو ترس جائیں گے ہم
زندگی میں ہر طرف ہی اک خلا پائیں گے ہم
اس کے غم میں چاک رندوں نے گریباں کر دیا

وہ شب معراج میں پہونچا جو خالق کے حضورؐ
بالیقیں معراج رحمت اس کو حاصل تھی ضرور
اوج بشریت پہ جس کو گئے میرے حضورؐ
اس کو اس شب میں ملا پروانۂ وصل حضور
اس کی تابانی نے اک دنیا کو حیراں کر دیا

ہے دعا سب کی کہ اس کا فیض ہر سو عام ہو
مدرسہ فرقانیہ مینارۂ اسلام ہو
عشق قرآں روز محشر باعث اکرام ہو
اس پہ رب کا خاص لطف و رحمت وانعام ہو
اس نے اپنا ہر نفس تصدیق ایماں کر دیا

خبرنامہ

نوٹ: حضرت حافظ صاحبؒ کے انتقال کی خبریں مختلف اخبارات اور رسائل وجرائد میں شائع ہوئیں چند نقلیں یہاں دی جارہی ہیں۔

حافظ محمد اقبال صاحبؒ کی رحلت

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم، ہزاروں حفاظ کے معلم کامل، الحاج جناب حافظ محمد اقبال صاحب ۲۶ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء بروز بدھ اس دنیا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، حافظ صاحب نے ۹۶ برس کی طویل عمر پائی تقریباً ساری زندگی قرآن مجید کی خدمت کرتے ہوئے گذاری آپؒ ندوۃ العلماء کے شعبۂ حفظ کے بانی اساتذہ میں تھے مدرسہ فرقانیہ کو آپؒ ہی کے دور اہتمام میں ہمہ ترقیات حاصل ہوئیں، آپ شروع میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے، بعد میں آپؒ کا تعلق حضرت مولانا منظونعمانی صاحب سے قائم ہوا، مولانا ہی کے حافظ صاحب خلیفہ بھی ہوئے، آپؒ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ نے پڑھائی، آپؒ کی نماز جنازہ میں عوام خواص نے غیر معمولی تعداد میں شرکت کی، انتقال ہی کے دن بعد نماز عشا آپؒ کی تدفین قبرستان گلوشاہ تکیہ میں عمل میں آئی، آپ کی تجہیز وتکفین میں جامعہ کے بہت سے اساتذہ نے شرکت کی، اور جامعہ میں تعزیتی جلسہ وایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ (ماہنامہ نورالعلوم، ص: ۳۸، اگست ۲۰۰۸ء)

حافظ محمد اقبال صاحب کی رحلت

مشہور علمی دینی، اصلاحی، اور روحانی شخصیت حافظ محمد اقبال صاحب کا مؤرخہ ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ کو انتقال ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

رحیل موصوف پوری زندگی قرآن کریم کی خدمت میں مصروف رہے اور قرآن سے ان کا تعلق عشق کے درجہ تک تھا، ۷۰ سال سے زائد قرآن کی خدمت انجام دی اور کئی ہزار حفاظ تیار کئے جو ملک اور بیرون ملک قرآن کی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ ایک نہایت نیک صالح متقی پرہیزگار مخلص اور بے لوث خادم تھے، طمع حرص لالچ نام کی کوئی چیز ان کے یہاں نہ تھی، وہ مشہور عالم دین مولانا منظور نعمانیؒ کے اجل خلیفہ اور مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے معتمد خاص تھے، دارالعلوم ندوۃ العلما میں وہ شعبہ تحفیظ القرآن کے بانی اور پہلے استاذ ہیں، زندگی کے آخیر لمحات تک وہ قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے رہے حتی کہ وہ انتقال سے ایک دن پہلے بھی سخت علالت کے باوجود صبح وشام دونوں وقت حسب معمول وقت سے پہلے درسگاہ میں آئے۔ مرحوم نے پسماندگان میں اہلیہ اور دو صاحبزادیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ تعمیر حیات (پندرہ روزہ) لکھنؤ، ۱۰ راگست ۲۰۰۸ء جلد نمبر ۴۵ شمارہ نمبر ۱۹

حضرت حافظ صاحبؒ مشاہیر امت کی نظر میں

(۱) اگر آخرت میں اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا لائے ہو تو عرض کروں گا کہ حافظ اقبال صاحب کو لایا ہوں۔ (حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ)

(۲) وہ ایک ممتاز حافظ قرآن ہی نہیں اس کے معلم بھی تھے۔ (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب)

(۳) حافظ صاحبؒ صلاح وتقویٰ، ذمہ داری کا احساس اور اسکو سنجیدگی وامانت داری سے انجام دینے کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے۔ (حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی)

(۴) میں اللہ کو گواہ بنا کے یہ بات کہتا ہوں کہ حافظ محمد اقبالؒ سے جب جب ملا، ایک عجیب سی ایمانی لذت اور روحانی کیفیت محسوس ہوئی جس کو میں صحیح طور پر اپنے الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ (حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب)

(۵) حافظ اقبالؒ صاحب ایک مثالی استاذ تھے اور کلام اللہ سے تو ان کو جو تعلق تھا وہ دینی اور علمی شغف رکھنے والوں میں بھی کم دیکھا ہے۔ (حفیظ نعمانی)

(۶) میں نے انہیں ہمیشہ تہجد گزار اور عابد شب پایا۔ (پروفیسر سید ضیاء الحسن)

(۷) چلتے پھرتے انسانوں میں حافظ صاحبؒ فرشتہ تھے۔ (احمد الباری ابن مولانا عبدالباری ندویؒ)

(۸) حضرت حافظ صاحبؒ نے پوری زندگی جیسے عدیم المثال ذوق وشوق اور جس مستقل مزاجی اور یکسوئی وانہماک کے ساتھ قرآن کی صحبت اور خدمت کی گزاری ہے وہ ان کی ایک پہچان بن گئی ہے۔ (مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی)

(۹) موصوف انتہائی زاہد فی الدنیا، صاحب ورع وتقویٰ از کار واشغال اور

نوافل کے پابند بزرگ تھے، اور اللہ کے ان خوش نصیب بندوں میں تھے جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ (مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری)

(۱۰) اگر ان کی زندگی کا نقشہ مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو بلا کسی مبالغہ کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی قرآن عظیم میں رچی بسی ہوئی تھی۔ (مفتی عبدالرحیم قاسمی)

حافظ صاحبؒ کے چند نمایاں شاگرد

(۱) حافظ مولانا عبدالباری صاحبؒ	بانی مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی
(۲) مولانا عبیداللہ اندوریؒ	سابق مہتمم مدرسۃ الفلاح اندور
(۳) مولانا سعید مرتضی صاحب بستویؒ	سابق استاذ ریاض یونیورسٹی
(۴) حافظ عبدالمنان صاحبؒ	سابق استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۵) حافظ جمیل صاحبؒ	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء
(۶) حافظ عبدالتوابؒ	سابق استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۷) حافظ خان زماں صاحبؒ	سابق منصرم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۸) حافظ حشمت اللہ صاحبؒ	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۹) حافظ مولانا سید سلمان الحسینی ندوی	استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۰) حافظ مولانا عبیداللہ الأسعدی	استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
(۱۱) حافظ عبدالتواب بستوی	سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۲) حافظ مولانا قمرالحسن	شعبہ مخطوطات ہمدرد یونیورسٹی دہلی
(۱۳) حافظ محمد اقبال	استاذ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۱۴) حافظ محمد امین ہردوئی	استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۱۵) حافظ مولانا سید ضیاء الحسن صاحب	سابق استاذ امیر الدولہ اسلامیہ کالج لکھنؤ
(۱۶) حافظ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی	ایڈیٹر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
(۱۷) حافظ مولانا عبدالرب صاحب قاسمی	مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

(۱۸) حافظ ابراہیم پٹیل	افریقہ
(۱۹) حافظ محمد بشیر	افریقہ
(۲۰) شیخ سراج الدین ندویؒ	(ممباثا) کینیا
(۲۱) حافظ عبدالعزیز ندوی	دبئی
(۲۲) حافظ عبداللہ	مکہ
(۲۳) حافظ محمد عرفان	کینیا
(۲۴) حافظ مولانا عبدالحفیظ صاحب	نگراں شعبہ حفظ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ
(۲۵) حافظ خلیل احمد گونڈوی	ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم گونڈہ
(۲۶) حافظ فضل الرحمٰن صاحب	نائب نگراں شعبہ حفظ دارالعلوم ندوۃ العلماء
(۲۷) حافظ عبدالرحیم گونڈوی	استاذ مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی
(۲۸) حافظ ڈاکٹر ہدایت اللہ	(ماہر معالج) خلیل آباد بستی
(۲۹) حافظ عبدالرشید گونڈوی	استاذ مدرسہ عثمانیہ انٹیا تھوک گونڈہ